لیکن افسوس کہ زمانہ نے ان کو فرصت حیات نہ دی، اور جناب اڈیٹر صاحب عصمت دہلی نے مرحومہ کے تمام مضامین کو جناب راشد الخیری صاحب کے دیباچہ کے ساتھ جمال ہمنشین کے نام سے شایع کیا ہے، اگر یہ حقیقت تسلیم کرلیجائے کہ ... دل کے واقعات پہلے ہی سے اپنا پرتو ڈالنا شروع کردیتے ہین تو ہم کو نظر آئیگا کہ مرحومہ کے اکثر مضامین مین حسرت و یاس، نامرادی و ناکامی کی تصویر موجود ہے، اور جو شخص بھی ان کی جوانا مرگی کے واقعہ سے متاثر ہوے بغیر ان مضامین کو نہین پڑھ سکتا، طباعت و کاغذ بہت بہتر ہے صفحہ ..۲، قیمت ... پتہ: منیجر عصمت دہلی،

انتخاب کلیات سودا، یہ انتخاب نیشنل پریس کے سلسلۂ ادبیات اردو کی ... کڑی ہے اس کے مرتب جناب مطلب حسین صاحب بی، اے، حالی لکھنوی ہین، اردو ادبیات کے ابتدائی دور شعر مین شاید میر و سودا ہی وہ خوش قسمت شعرا ہین جنکے کلیات کو یہ شرف حاصل ہوا، ان کا قدیم ترین مطبوعہ کلیات شاید وہ ہے جو ٹائپ مین کلکتہ مین چھپا تھا، اس کے بعد مطبع نول کشور نے اسے شایع کیا، میر صاحب کے کلام کے متعدد انتخابات شایع ہو چکے ہین، اور ضرورت تھی کہ کلام سودا کا بھی اس قسم کا انتخاب شایع کیا جاتا، ہم حضرت حالی کو اس کوشش پر مبارکباد دیتے ہین، ابتدا مین سودا کے حالات اور ان کی شاعری پر تنقید ہے، اگر اسی تنقید کے سلسلہ مین یہ بھی دکھا دیا جاتا کہ ان سے پہلے اردو کی کیا حالت تھی، اور انھون نے زبان و محاورات کی صفائی مین کیا خدمات انجام دین، تو شاید بیجا نہ ہوتا، انتخاب مین ہر صنف شاعری کا نمونہ موجود ہے، اردو غزلون کے بعد فارسی اشعار کا بھی انتخاب ہے، رہا نفس انتخاب کے متعلق کچھ کہنا تو یہ ہے، کہ ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق اشعار چن لیتا ہے، بہرحال اس کے ساتھ ہم یہ کہے بغیر بھی نہین رہ سکتے کہ سودا کے ایک طالب علم کے لئے یہ انتخاب بہت کافی ہے، اس سے انکی شاعری کے ہر صنف کے متعلق مستقل رائے قائم کیجا سکتی ہے، لکھائی چھپائی اچھی ہے، صفحات ۲۰۴، کتاب مجلد ہے، پتہ:- رام نراین لال صاحب تاجر کتب الہ آباد،

"ن"

مجلد بست و یکم | ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۸ء | عدد ۵

مضامین

--- ❊ ---

شذرات

اپریل کے شذرات مین ہمنے مسلمانون کے تمدنی و اجتماعی انقلاب پر جو خیالات ظاہر کئے تھے، ہمکو خوشی ہے
کہ اکثر اصحاب نے ان کو پسند کیا، اس مہینہ مین جو بیرونی اسلامی رسائل آئے ہین ان سے ہمارے خیالات کی پوری
تائید ملتی ہے، پچھلا رمضان جسکو یورپ مین ترکی مہینہ کہتے ہین، ترکی مین جسطرح گذرا، اوسکی روداد ترکی اخبار
جمہوریت نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۰ر رمضان مین اس طرح بیان کی ہے،

"امسال کے رمضان المبارک مین نمازیون اور روزہ دارون کی کثرت آستانہ مین گذشتہ سالون سے
بہت زیادہ تھی، تمام بڑی بڑی جامع مسجدین اور وعظ کی مجلسین مسلمانون سے معمور ہین، کہ جس کی
نظیر ابرس (آغاز جنگ) سے نہین ملی تھی، تراویح کی جماعتون مین بھی بڑی کثرت تھی، (تمام ان
بڑی بڑی جامع مسجدون کے جنمین تراویح و جماعت کا اہتمام تھا، نام گنا کر اخبار مذکور لکھتا ہے،)
جامع مسجد حضرت ایوب اور جامع مسجد فاتح مین عام ازدحام کی یہ حالت تھی کہ رمضان کے تیسرے جمعہ مین
ان عظیم الشان جامع مسجدون کے وسیع صحن ناکافی ہوئے، اور سینکڑون چٹائیان، اور صفین باہر
گلیون مین بچھائی گئین"،

کیا یہ تصویر اس قوم کی ہے جس کی نسبت یہ عام تشہیر ہو رہی ہے کہ پوری کی پوری قوم بے دینی اور الحاد
مین گرفتار ہے، اور وہان سے اسلام کو بتدریج قانون خارج کیا جا رہا ہے، تاہم یہ ظاہر ہے کہ جس طرح ہندوستان
مین چوٹی کے لیڈر، اور جدید تعلیم یافتہ سیاست کا مذہب کے بکھیڑون سے آزاد ہین، اسی طرح اوسی
جنس اور اوسی نمونہ کی ہستیان ترکی اور دوسرے اسلامی ملکون مین بھی موجود ہین، جنکو یورپ کے پنجہ سے سیاسی
آزادی حاصل کرنے کی صرف یہی ایک صورت نظر آتی ہے، کہ وہ یورپ کی تمدنی و معاشرتی غلامی کا حلقہ
اپنے گلے مین ڈال لین،

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے اس تشہیر کی صداقت کو تسلیم کر لین کہ ترکی نے بزور قانون اپنے ملک سے قدیم اسلامی
وضع و تمدن کا خاتمہ کر کے تمام تر یورپین وضع و معاشرت اور تمدن اختیار کر لیا جس سے اس ملک مین اسلامیت
کا خاتمہ ہو گیا؛" تو ہم کو اس منطق کے صحیح تسلیم کرنے مین قطعًا تامل ہے کہ چونکہ انھون نے اپنی لال ٹوپی، لنبے
کوٹ، چوڑے شلوار کو اتار کر، فرنگی ٹوپی، چھوٹے کوٹ اور تنگ پتلون پہن لیے اسلئے وہ اسلام کے دائرہ سے
خارج ہو گئے، تو کیا ہندوستان کے مسلمانون پر ایسا ہی، تم عربون نے نہ کیا ہوگا، کہ انھون نے جبہ اور عربی دستار
اتار کر، اچکن اور انگرکھا، اور خالطہ پائجامہ اور جامہ اور ٹوپی پہن لی، کوٹ اور پتلون مین بھی خدا اوسی طرح ملسکتا ہے
جس طرح اچکن، انگرکھے، پائجامے اور دھوتی مین ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اجسامکم، ولکن
ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (او کما قال حدیث) اللہ تعالیٰ تمھاری جسمانی شکل و صورت کو نہین دیکھتا، بلکہ تمھارے
دل اور عمل کو دیکھتا ہے،

تھوڑی دیر کے لیے ہم اس منطق کو بھی تسلیم کرتے ہین، اور یقین کر لیتے ہین، کہ اس تمدنی اور معاشرتی
انقلاب نے ترکی مین اسلامیت کا خاتمہ کر دیا، تو کیا اس سے یہ استدلال صحیح ہوگا، کہ چونکہ ترکی نے ایسا کر لیا، اور
مصر مین ایسا ہو رہا ہے، اسلیے اے ہندوستانی مسلمانو تم بھی اسی طریقہ کو اختیار کرو؛ کیا کسی قوم کا کسی راستہ پر
چل پڑنا اور کسی طریقۂ خاص کو اختیار کر لینا، اوس راستہ کے ٹھیک ہونے، اور اس طریقہ کے درست ہونے پر
دلیل و برہان ہو سکتا ہے، اجتہاد کے مدعیون کا یہ تقلیدی استدلال کس درجہ مضحکہ انگیز ہے،

کیا اگر ترکی اتحادیون کی غلامی کو تسلیم، اور مصر برطانی نگرانی قبول کر لیتے تو ان دو مسلمان قومون کا فیصلہ تمام اسلامی ملکون کی غلامی پسندی کے لیے مثال و نظیر اور برہان و دلیل کا کام دیسکتا، کیا اس پندرہ بیس برس کے عرصہ مین ایسی متعدد مثالین نہین پیش آئی ہین کہ ترکی اور بعض اسلامی ملکون نے فیصلہ کا غلط طریقہ اختیار کیا، اور ہندوستان نے ان کی بروقت تنبیہ کی، اور کٹھن منزلون مین ان کی رہنمائی اور پیشوائی کی، اور آخر تمام دنیاے اسلام نے ان کی صحتِ رائے، اور صواب دید کا اقرار کیا، تو کیا یہی آج بھی نہین ہو سکتا،

مسلمانانِ ہند! تم اپنی اہمیت کو فراموش نہ کرو، تم باوجود اپنی سیاسی غلامی کے دنیاے اسلام کی "زمین کے نمک" ہو، اگر کوئی مسلمان قوم غلط راستہ پر چل رہی ہے تو اس کی غلط روی تمھاری ٹھوکر کا باعث نہ ہو، تم کو خود آگے بڑھکر صحیح راستہ کا پتہ لگانا چاہیے، اور گم کردہ راہ مسلمان قومون کی پیشوائی اور رہنمائی کا فرض انجام دینا چاہیے، تم دوسرون کے نمونون کی نقل نہ اتارو، بلکہ خود اپنا نمونہ ان کے سامنے پیش کرو، اور دکھادو کہ "اسلام اور دنیاوی ترقی" دوبارہ کیونکر دنیا مین یکجا ہو سکتی ہے، اور "جامِ شریعت" اور "سندانِ عشق" دونون کا کھیل کیونکر یک دفعہ کھیلا جاسکتا ہے،

حالات کے تغیر نے ہندوستان کے بعض تعلیم یافتہ جاہلون کے لیے جدت و اجتہاد کی نئی سند پیدا کردی ہے، اب یہ عالم ہے کہ قرآن پاک کا ہر ترجمہ پڑھنے والا قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا بہترین مستحق قرار پا رہا ہے، اور جس نے غلطی سے تھوڑی بہت عربی پڑھ لی ہے، وہ دیگر علوم و فنون مین اپنے قصور اور عجز کا شاید اعتراف کرے تو کرے، مگر عقائد اور مسائلِ شریعت مین اپنے کو امام وقت اور مجتہد مطلق باور کرنے اور کرانے مین نہین شرماتا، نظر آرہا ہے کہ اس صوبہ مین خاص طور سے ایک ایسی انگریزی دان جماعت کے افراد پیدا ہو رہے ہین جو تھوڑی بہت عربی ادب و لغت حاصل کرکے قرآن و حدیث کے

مطالب کی تشریح مین مصروف ہین، اور اس عربی دانی کے غرور مین، ہر قسم کے مولویون کے ننگ وجود سے دنیاے اسلام کو پاک کرنے کا عزم رکھتے ہین، لیکن اگر عربی ادب و لغت کے یہ امام قرآن پاک اور احادیث و سنت کے معانی و مطالب کے سمجھنے کے مستحق ہین، تو انستانس کرملی، زکریا انصوبی، اسکندر معلوف، یازجی، وغیرہ شام و عراق کے موجودہ عرب عیسائی جو عربی ادب و لغت کے آج صحیح طور سے امام ہین، وہ ان سے کہین زیادہ مسلمانون کے صحیفۂ الٰہی، اور ارشادات نبوی، اور مسائل شرعی کی تفسیر و تشریح کی اہلیت و استحقاق رکھتے ہین، کیا یہ صحیح ہے؟
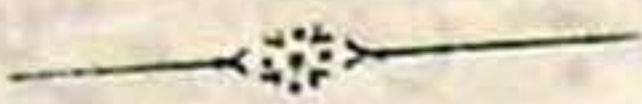
اہل نظر جانتے ہین کہ کسی کلام کی صحیح تشریح اس کلام کے صرف مفرد الفاظ کے معنی جان لینے سے نہین ہو سکتی، بلکہ ضرورت ہے، اس عہد اور زمانہ کے ماحول کے سمجھنے کی، متکلم کی خصوصیات اور حالات کے جاننے کی، اس کے خیالات سے کامل واقفیت کی، اس کے مجموعۂ کلام کی روح اور جوہر سے آگاہی کی، اس خاص مضمون کیساتھ کافی میلانِ طبع اور ذوق پیدا کرنے کی، اور اس متکلم کے ساتھ عقیدت اور نیازمندی کی تب کہین جاکر اس کلام کا اصلی مدعا اور مقصد واضح اور روشن ہوتا ہے، اگر دنیا کے بڑے بڑے اہل کلام کے کلام سمجھنے کیلیے یہ اصول ضروری ہے تو محمد رسول اللہ صلعم کے کلام اور انکے ذریعہ سے آئی ہوئی وحی کے سمجھنے کے لیے یہ کیون ضروری نہین،

مرزا غالب اردو کے مشکل گو شاعر ہین، ان کے اشعار کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہین اسی لیے بعض لوگون نے انکے اشعار کے مطالب خود ان سے پوچھے ہین اور انھون نے اپنے رقعات مین انکی تشریح کی ہے اور اپنا مطلب بیان کیا ہے، علاوہ ازین بعض اہل علم نے ان کے پورے دیوان کی شرحین بھی لکھی ہین، اور مطالب کی تشریح کی ہے اب سوال یہ ہے کہ غالب کے کسی شعر کا وہ مطلب صحیح ہے جسکو اسکے کسی نکتہ آفرین اور نکتہ شناس شارح نے بیان کیا ہے، یا وہ مطلب صحیح ہے جسکو غالب نے خود اپنے کسی رقعہ مین بیان کیا ہے، اسی کے ساتھ اس کا بھی جواب دیتے جایئے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کی وہ تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلعم اور ان کے ہمنشینون سے صحیح طور سے مروی ہے، یا وہ صحیح ہے جو چودہ سو برس کے بعد آپ اپنی غایت نکتہ سنجی، اور دقیقہ شناسی، اور حکمت پروری سے خود سمجھنا اور دوسرون کو سمجھانا چاہتے ہین،

مقالات

مجلس العلمائے مدراس کا خطبۂ صدارت،

(۲)

مسلمان اور اقتصادیات برادرانِ وطن! جہان آپ پر یہ مذہبی فرائض عائد ہین آپ دنیاوی فرائض کو بھی فراموش نہ کیجئے جنکو اگر آپ نیک نیتی اور اخلاص کیساتھ ادا کیجئے تو وہ بعینہ مذہبی فرائض بھی ہین، ہندوستان کے حالات مین پچھلے دنون جو فرقہ وارانہ انقلابات ہوئے ہین، ان سے یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک مین مسلمانون کی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی مالی اور اقتصادی حالت مضبوط اور مستحکم ہو وہ ایک ایسی قوم کے اندر گھرے ہین، جنکو اپنی مالی حالت کے مضبوط رکھنے کا نہایت عمدہ سلیقہ ہی اور جو اپنی اس قوت پر بے انتہا نازان ہے، جو اس قوت کے بھروسہ پر اسلام کو اس ملک مین چیلنج دینے کے لیے آمادہ ہے، اس لیے مسلمانون کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے، اور جس قدر جلد ممکن ہو ان کو اپنی اس حالت کے سنبھالنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے، مدراس مین تجارت کو خاصہ فروغ حاصل ہے، اور مسلمانون کا بھی اس مین کچھ حاصل ہے، تاہم غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانون کی تجارت یہان بھی نہایت محدود ہے، چمڑے کی تجارت یا ایک آدھ اور چیز ان کی اس تجارت کا سامان ہے، اب آپ کو آگے بڑھنا چاہیئے، اور ہر قسم کی تجارت مین ہاتھ ڈالنا چاہیئے، آپ خواہ شہر مین ہون یا دیہات مین، جہان بھی ہون، آپ اپنے ہموطنون کے دوش بدوش اس آبادی کی ضروریات فراہم کرنے مین کام کرین،

مجھے اس کے ظاہر کرنے مین خوشی ہے کہ احاطۂ مدراس مین مسلمان عموماً سادہ زندگی بسر کرتے ہین، تاہم ممکن نہین کہ وہ بھی اپنے شمالی ہند کے مسلمان بھائیون کی طرح ہندو مہاجنون اور ہندو ساہوکارون کے ہاتھون گرفتار نہ ہون، اگر ایسا ہے، تو بہت جلد مسلمانون کو خطرہ سے پہلے ہوشیار اور متنبہ ہو جانا چاہیئے، شمالی ہند مین تو ایسے واقعات پیش آئے ہین کہ آریہ قرض خواہون اور زمینداروں نے غریب، مسلمان مقروضون اور کاشتکارون کو ارتداد پر مجبور کیا ہے، گو امید ہے کہ ادھر ایسی صورت حال نہ ہوگی، تاہم اس ملک کے دوسرے حصون مین اسلام پر جو کچھ گذر رہا ہے، اس کو دیکھکر یہان کے مسلمان عبرت حاصل کرین،

مسلمان زیادہ تر شادی غمی کے موقع پر قرض لیتے ہین، جن مراسم مین یہ روپیے خرچ کئے جاتے ہین وہ عموماً خلافِ شرع ہوتے ہین، جنسے بچنا ایک سچے مسلمان کا فرض ہے اور اگر وہ شرع کے خلاف نہ ہون جیسے لڑکیون کے جہیز کا سامان وغیرہ تو اس مین بھی استطاعت اور وسعت کے مطابق ہونے کی قید ہے، اللہ تعالیٰ زن وشوہر کی ایک صورت مالی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے،

ومتعوهنّ على الموسع قدره وعلى المقتر قدره (بقرہ)

کہ ان کو کچھ مال متاع دیدو، دولتمند پر اس کی حیثیت سے اور غریب پر اس کی حیثیت سے فرض ہے،

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ "اے خواتین اسلام! اگر دین مہر کا زیادہ ہونا فضیلت ہوتا تو سب سے زیادہ دین مہر آنحضرت صلعم کی بیویون اور صاحبزادیون کا ہوتا، لیکن ان مین کسی کا دین مہر تین سو درہم (۱۲ سو درہم) سے زیادہ نہ تھا، غمی کے موقعون پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، اور جس طرح خرچ کیا جاتا ہے، بہتر ہو کہ اس کے متعلق آپ اپنے شہر کے مستند، معتمد اور متدین علماء سے دریافت فرمائین کہ میت کو ثواب پہنچانے کا زیادہ صحیح اور بہتر طریقہ کیا ہے،

بہرحال اس وقت ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی مالی حالت کی درستی مین کوشش بلیغ کرے، تاکہ

وہ اس طرح نہ صرف مسلمانون کو بلکہ اسلام کو اس ملک مین خطرہ سے بچاسکے، دین و مذہب کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرسکے، اور اپنے غریب بھائیون کی ہرطرح امداد کرسکے، اسی سلسلہ مین اس کی بھی ضرورت ہو، کہ مسلمانون کو اور خصوصاً مسلمان بچون کو بیکاری کے مرض سے بچایا جائے اور ان کو محنت و مزدوری، صنعت اور پیشہ کے کامون مین لگایا جائے، صحیح حدیث مین ہے کہ الید العلیا خیر من الید السفلی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، صحابہؓ مین بعض اصحاب ایسے غریب تھے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ جنگل سے لکڑیان لاکر بازار مین بیچو، چنانچہ چند ہی روز مین اللہ تعالیٰ نے ان کو برکت عطا کی اور وہ مستغنی ہوگئے،

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ صحابہؓ مین صرف غریب اور مسکین ہی لوگ تھے، حالانکہ انمین بڑے بڑے سوداگر، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے زمیندار اور بڑے بڑے کارخانہ دار بھی تھے، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ وغیرہ ایسے ہی تھے، جو لاکھون کے مالک تھے، مگر ان کی یہ دولت پاک کمائی سے تھی اور اخلاص کیساتھ خدا کی راہ مین خرچ کی جاتی تھی، اسلام نے عیسائیت کی طرح دولت کی ممانعت نہین کی ہے، بلکہ اس کے غلط استعمال کی ممانعت کی ہے، حج اسلام کی ایک عبادت ہے، اس عبادت مین بھی اس نے تجارت کی اجازت دی ہے،

اتحاد بین الفرق برادران اسلام! جہان آپ پر یہ فرض ہے کہ اپنی حالت کو درست کرکے اپنے کو مضبوط کرین، وہان یہ بھی ضرورت ہو کہ اسلام کے مختلف فرقون کو باہم ایک دوسرے سے قریب کرکے اسکو مضبوط بنائین، فرقہ وارانہ اختلاف نے مسلمانون کو کمزور کردیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک مین مسلمانون کو اختلاف اور تفرق سے منع فرمایا ہے کہ اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور اتحاد کو اپنی نعمت ظاہر فرمایا ہے، فاصبحتم بنعمتہ اخوانا، آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہین، المسلم اخو المسلم ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس کی مدد نہ چھوڑے، اگر دو مسلمان باہم صف آرا ہون، تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بھائی ہی فرمایا ہے فاصلحوا بین اخویکم دونون لڑنے والے بھائیون مین صلح کرادو،

ہم مین یہ بڑا عیب آگیا ہے کہ ہم ذرا ذرا سی باتون پر اپنے مسلمان بھائیون کی تکفیر اور تفسیق کیا کرتے ہین، حدیث شریف مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کو کافر کہا جائے اور حقیقت مین کافر نہ ہو تو وہ کفر خود کہنے والے پر لوٹ آتا ہے، اس تنبیہ نبوی سے مسلمانون کو ہشیار ہونا چاہیئے، افسوس ہے کہ یہ مرض ہماری جماعت علماء مین بیحد سرایت کرگیا ہے، اور اسی کا اثر ان کے ماننے والے مسلمانون مین بھی آجاتا ہے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ عوام مین یہ مشہور ہے کہ دو عالم کبھی ایک شہر مین نہین رہ سکتے، کیا اس تخیل سے علماء کی جماعت کی توہین نہین ہوتی،

اے علمائے امت! اے وارثین نبوت! تمہاری ذمہ داری سب سے زیادہ سخت ہے، تم مسلمانون کی بھلائی اور برائی کے ذمہ دار ہو، تم اپنے کو درست کرو کہ مسلمان درست ہون، تم رواداری اور بے تعصبی سیکھو، تم خدا کے لیے دوستی کرنا اور خدا کے لیے دشمنی کرنا سیکھو، آج اسلام کو ہندوستان مین اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اگر تمام کلمہ گو، ناموس اسلام کی حفاظت کے لیے متحد نہ ہوسکین، اور آپس کے تفرقون کو ختم نہ کرسکین تو دشمنون کی کثرت کے مقابلہ کی طاقت ان مین کیونکر آئے گی، حنفی، شافعی، مقلد اور غیر مقلد آج سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہیئے، آج حنفیت اور شافعیت، تقلید اور عدم تقلید کے دشمنون سے مقابلہ نہین ہے، بلکہ اسلام، اسلام کے خدا، اسلام کے رسولؐ اور اسلام کے پیغمبرؐ کے دشمنون سے مقابلہ ہے، پیغمبر اسلامؐ کی اپنی امت کے ہر فرد کو آج صدا ہے،

لاتحاسدوا ولاتباغضوا وکونوا یاعباد اللہ	آپس مین ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، اور نہ بغض کرو، اے
اخوانا،	خدا کے بندو سب آپس مین بھائی بھائی ہوجاؤ،

اس موقع پر مین آپکے ارکان کی خدمت مین بھی گذارش کرونگا کہ اس سلسلہ مین آپکا دستور العمل آپ سے وسعت نظر کا طالب ہے، آپ مصلحین کی جماعت ہین، آپ کو تنگ نظریون سے بالاتر ہونا چاہیئے،

ہندو مسلم اتحاد حضرات مین مسلمان فرقون کو اتحاد اور تنظیم کی دعوت کسی دوسرے غیر مسلم فرقہ کو شکست دینے کے لیے نہین دے رہا ہون، شاید آپ مین سے بہت سے اصحاب اس بارہ مین میرے

خیالات سے بیخبر نہ ہون گے، مین اس جماعت کا رکن ہون، جو اس ملک کی فلاح و بہبود کو صرف ہندو مسلم اتحاد پر موقوف سمجھتے ہین، آج جو صورت حال پنجاب سے بنگال تک قائم ہے وہ ہر ہندوستانی کے لیے موجب افسوس کے قابل ہے، خدا کا شکر ہے کہ آپکا صوبہ اس وبا سے پاک ہے، اسی لیے ہم کو آپ کے قابل فخر ممبر سرشنکر نائر کی اس تقریر سے سخت تعجب ہوا جو انھون نے ناگپور مہاسبھا کے صدر کی حیثیت سے کی، اور جسمین انھون نے مسلمانون کے اخلاق پر سخت حملہ کیا، باوجود واقعات کے علم کے مین اس کی تردید مین اسی قسم کا الزام اپنے ہموطنون پر نہین لگانا چاہتا، بلکہ صرف یہ کہتا ہون کہ اگر ہندوستان کے بہترین دماغ اس طرح کی تنگ نظری مین مبتلا ہون گے تو کیا اس ملک کی درستی کیلئے اب آسمان سے فرشتے آئین گے، دیر یا سویر جب کبھی، اس ملک کے باشندون کو اپنے ملک کی بھلائی کا خیال آئیگا، اس کا ذریعہ ہندو مسلم اتحاد کے سوا کوئی دوسرا نہ ہوگا،

ناموس انبیاء افسوس کہ اس باہمی ہنگامہ نے نوبت یہانتک پہنچائی ہے کہ سیاست سے گذر کر اقتصادیات، معاشرت، اکار و بار لین دین، اور مذہب تک آگیا ہے، کس قدر افسوسناک امر ہے کہ اب حالت یہان تک پہنچی ہے کہ گذشتہ بزرگون اور ان پیغمبرون کی شان مین گستاخیان کیجاتی ہین، جنکا ادب مذہب وملت سے علحدہ ہو کر ہر فرد انسان پر واجب ہے، مسلمانون پر فرض ہے کہ وہ کسی مذہب کے معتقد علیہ کو بھی برا نہ کہین، کیونکہ آنحضرت صلعم سے پہلے جو ایسے بانیان مذاہب گذرے مین، ان کے متعلق قرآن کے اصول "وان من امتہ الا خلا فیہا نذیر" ان کا رسول یا حواری رسول ہونا ممکن ہے، اور اسلیے انکی توہین کفر کا خطرہ پیدا کر سکتی ہے، اور اگر وہ آنحضرت صلعم کے بعد مدعی مذہب ہوئے ہین تو وہ اصنام و اوثان یعنی بتون سے زیادہ تو نہین ہو سکتے جنکے متعلق ارشاد باری ہے کہ تم کفار کے بتون کو بھی برا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ جذبۂ انتقام مین تمھارے خداے برحق کو برا کہنے لگین، "فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم"، تو اگر خداے برحق کی عزت کو بچانے کے لیے خداے باطل کو برا کہنا جائز نہین تو کیا، اسی طرح رسول برحق کی عزت کو بچانے کیلئے رسول باطل کو برا کہنا جائز نہ ہوگا، الحمد للہ کہ اس بارہ مین ہندوستان مین مسلمانون کی روش فخر کا باعث رہی ہے کہ انھون نے کبھی ہندوستان کے بزرگون اور رکن پیغمبرون کی شان مین گستاخی نہین کی ہے، امید ہے کہ

آیندہ بھی اس باب مین اپنی مذہبی تعلیم پر عمل کر کے اس ملک مین اسلام کا سر بلند رکھین گے، ضرورت ہے کہ دنیا کے تمام ادیان اور مذاہب کے بزرگون اور پیغمبر کی عزت و حفاظت کی خاطر ایک قانون بنانے پر زور دیا جائے جس سے صرف پیغمبر اسلام کا تحفظ نہین، بلکہ دنیا کے کل مذاہب کے قابلِ ادب اشخاص کی عزتون کا تحفظ مقصود ہے، اسلیے انسانیت اور اخلاق کا فرض ہے کہ اس مسئلہ مین ہندوستان کا ہر باشندہ ہمزبان اور متفق ہو، ابھی اسمبلی مین اس کے متعلق کوئی باقاعدہ قانون پیش نہین ہوا ہے، تاہم آپ ہی کے صوبہ کے ایک سر برآوردہ مقنن کی زبان سے یہ بات نکلی ہے کہ اس کے الفاظ بہت سخت ہین، لیکن کیا اس سے بھی زیادہ سخت ہین، جو ان کتابون اور رسالون مین انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھے گئے ہین، اس قانون کے متعلق ذمہ دار اصحاب کا اس قسم کا اعتراض اور تذبذب اس قانون کے وجود ہی کو لغو اور بیکار کر دے گا، مولانا محمد علی صاحب نے اس بارہ مین قوم کی جو بر وقت رہنمائی کی ہے، وہ تمام مسلمانون کی شکریہ کی مستحق ہے،

برادرانِ اسلام! آخر مین آپکا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہون،

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین، وصلی اللہ تعالیٰ
علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین،

۵- ستمبر سنہ ۱۹۲۷ء

ہندوستانی اکاڈمی کو مترجمون کی ضرورت

ہندوستانی اکاڈمی کو مترجمون کی ضرورت ہے، جو انگریزی سے بامحاورہ اردو، ہندی زبانون مین ترجمہ کر سکین مترجم اکاڈمی کے ملازم نہ ہونگے، جو لوگ سائنس اور ادبی کتابون کا ترجمہ کرنا چاہتے ہون، ان کو نمونے کے ساتھ ۳۰ رجون تک درخواست دینا اور شرائط طے کرنا چاہیے،

تاراچند

جنرل سکریٹری ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد،

قدیم علوم عربیہ اور قدیم طریقۂ تعلیم

کی

تجدید و اصلاح

از

شیخ احمد امین رکن مجمع عربی

عربی زبان اور علوم کی تعلیم کی تجدید و اصلاح کا مسئلہ آج تمام دنیائے اسلام کے ارباب فکر اور انجام مین علماء کے سامنے ہے، ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اسنے سب سے پہلے اسکا احساس کیا، اور اب رفتہ رفتہ تمام اسلامی ملکون مین یہ خیال پھیلتا جاتا ہے، شیخ احمد امین مصر کے مشہور فاضل اور ادیب ہین، حال مین انھون نے اس مسئلہ پر نہایت پر مغز اور محققانہ خطبہ دیا ہے، جس مین خاص طور پر عربی علم ادب کی تعلیم کے نقائص اور ان کی اصلاح پر غائر نظر ڈالی ہے، تھوڑے دن ہوئے، ان کے فضل و کمال کے اعتراف مین دمشق کی مشہور عربی اکاڈمی نے ان کو اپنا رکن منتخب کیا ہے، اور اس تقریب سے اپنے رسالہ "المجمع العلمی العربی" مین یہ خطبہ نقل کیا ہے، چونکہ اسوقت ہندوستان مین بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے، اور ایک

اہل زبان محقق کی رائے اس مین بہت کچھ ہماری رہنمائی کر سکتی ہے، اسلئے اسکا ترجمہ خاص طور سے عربی تعلیم کے شائقین اور علماء کے لئے دلچسپ اور مفید ہوگا،

معین الدین احمد ندوی

زمانہ کے مذاق اور اسکی رفتار کے ساتھ ساتھ دنیا کی تمام چیزین بدلتی رہی ہین، اور جو چیزین اسکا ساتھ نہین دیتین وہ یا تو بالکل مٹ جاتی ہین، یا اُن کا زوال ہو جاتا ہے، ہماری عربی تالیفات اور طریقۂ تعلیم بھی اس قدرتی اصول سے مستثنیٰ نہین، آج سے صدیون پیشتر جو طریقۂ تعلیم رائج تھا، وہ بلا کسی ترمیم کے بعینہٖ آج بھی قائم ہے، اسکا نتیجہ یہ ہے، کہ آج یہ دونون چیزین قالب بے جان ہو کر رہ گئی ہین، اور ان کا اصل مدعا مفقود ہو گیا ہے، گو اب پرانے نصاب مین اصلاح ہو چلی ہے، اور قدیم کتابون کے ساتھ نئے علوم بھی پڑھائے جاتے ہین، اور جدید اسلوب پر کتابین بھی تالیف کی جاتی ہین مگر اس مخلوط طریقۂ تعلیم کا اور برا اثر پڑتا ہے، تم مشرقی طلبہ پر نظر ڈالو، تو یہ اختلاف بہت نمایان نظر آئیگا مختلف علوم مختلف طریقون سے پڑھائے جاتے ہین، جو بالکل ایک دوسرے کے ضد ہین، مثلاً نحو، صرف، بلاغت، منطق اور فقہ وغیرہ کی تعلیم کا طرز قدیم ہے اور یہ طرز نئے تمدن سے میل نہین رکھتا، نئی تہذیب نے اسکو بالکل نظر انداز کر کے کالعدم سمجھ لیا ہے، کیمیا، ریاضی، جغرافیہ وغیرہ جدید اسلوب سے پڑھائے جاتے ہین، جنکو مغرب سے نقل کیا گیا ہے، اور ان علوم کی تمام کتابین اور تمام نظریئے مغربی ہین، آج کوئی شخص جغرافیہ ادریسی، طب طبیعہ اور کیمیا ابن سینا، اور ریاضی عاملی کے طریقۂ تالیف پر حاصل نہین کرتا، ممکن ہے بعض مستثنیٰ مثالین نکل آئین، لیکن ان کا کوئی شمار نہین،

درحقیقت ان دونون طریقون کی منطق ہی ایک دوسرے سے مختلف بلکہ باہم متضاد ہے، یہ دونون ایک دوسرے کی اعانت کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے اثرات کو فنا کرتے ہین، اسلئے طلبہ کی عقلین اس اختلاف سے اُلجھ جاتی ہین، اسلئے ضرورت ہے کہ ہم تعلیم کو ایسی مضبوط بنیاد پر قائم کرین جس کے اجزا باہم متفق اور معاون ہون، اور ان کے اثرات مین تناقض نہ پیدا ہو، تاکہ طلبہ کی عقلین برے اثرات سے محفوظ رہین،

اس نظریہ کی مزید توضیح کے لئے اسکو یون سمجھنا چاہئے، کہ عربی کی مختلف انواع کے تتبع مولفین اور عربی تالیفات مین دو وصف بہت نمایان نظر آتے ہین، ایک یہ کہ عربی مولفین بہت بڑی حد تک ارسطو کی منطق سے متاثر ہین، کیونکہ عربون نے اپنے ابتدائی علمی عہد مین ارسطو کی منطق سے بہت دلچسپی ظاہر کی، اور اُسکا ایک ایک حرف اپنی زبان مین منتقل کر لیا، اور اس نقل مین اسقدر احتیاط سے کام لیا کہ وہی ترتیب اور وہی مثالین بھی قائم رکھین، اور یونانیون کی طرح انھون نے بھی منطق کو تمام علوم کی بنیاد قرار دیا حتی کہ مذہبی علوم کی عمارت بھی اسی بنیاد پر قائم کی، چنانچہ علم کلام کی بنیاد تمامتر اسی پر قائم ہے۔

ارسطو کی منطق کی طبعی بنیاد بالکل ناقص اور قاصر ہے، کیونکہ اس مین مان لیا گیا ہے کہ اس عالم کے تمام حقائق کی اصلیت معلوم ہے، اور اب اسمین کسی مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہین ہے، منطق کا کام صرف اسقدر ہے کہ ہمکو یہ بتائے کہ جن لوگون کو یہ حقائق معلوم نہین، اُن کے دماغ سے ان معلومات کو اُن لوگون کے ذہن تک کیونکر منتقل کیا جائے، جو اب تک ان سے واقف نہین ہین، منطق کی تمام کتابون مین تم کو یہ وصف نمایان طور پر نظر آئے گا، اور اس کو اس سے کوئی بحث نہین کہ اصل قضیہ صحیح ہے یا نہین؟ ہمین تک کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس کی صحت و عدم صحت کو کیسے جانچنا چاہئے؟ ان چیزون کے بجائے قضیہ پر صرف اشکال اور رسمیات کی حیثیت سے بحث ہوتی ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہن کو قضیہ اسکی جانچ اور دوسری نئی چیز پیدا کرنے کی طرف متوجہ نہین ہونے دیتی، اور صرف قضایا کے کلیہ جزیہ موجبہ اور سالبہ ہونے پر اعتماد کر کے اس سے نتائج نکالے جاتے ہین، خواہ خود قضایا غلط ہی کیون نہ ہون، اس لئے وہ لوگ جو اس منطق کو اپنے غور و فکر کی بنیاد قرار دیکر اس مین مشغول ہوتے ہین، وہ حقائق معروفہ کی شرح و توضیح اور اسکو ایک دماغ سے دوسرے دماغ کیطرف منتقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین، اس جمود کی وجہ سے نظریون کی جانچ، ان مین شک پیدا کرنا، ان کی صحت و فساد کا تجربہ کرنا، اور قدیم نظریون کے بجائے نئے نظریئے قائم کرنا، ان چیزون سے علماء عرب نقل علوم مین اپنی پہلی علمی حرکت کے بعد بہت کم متاثر ہوئے، اس کے برعکس دور جدید مین علماء مغرب اس سے بہت متاثر ہوئے ہین،

چنانچہ انھون نے ارسطو کی منطق کا لبادہ اتار کر پھینک دیا، اور اس کے پہلو بہ پہلو ایک نئی منطق وضع کی جس کی بنیاد تمامتر شک پر ہے، یہ منطق اس دنیا کے تمام ان حقائق کو جنکو ہم جانتے ہین، مشکوک بتاتی ہے، کہ حقائق کی حیثیت سے ان کی جانچ کی جائے، دنیا سے جنگ کے لئے عقلون کو مسلح کیا جائے اور حقائق کے چہرہ سے بڑے بڑے مادی پردے ہٹا کر ان کو بے نقاب کیا جائے،

دونون منطقون مین فرق یہ ہے کہ ارسطو کی منطق اشیاء معلومہ کے اور جدید منطق اشیاء مجہولہ کے اکتشاف کا نام ہے، اسکو زیادہ واضح طور پر یون سمجھنا چاہئے، کہ ارسطو کی منطق ہمکو یہ سکھاتی ہے کہ چڑیون کو بیج سے دانہ نکال کر کھلایا جائے، بچہ کے منہ مین پستان دیکر کیونکر دودھ پلایا جائے، اور جدید منطق یہ سکھاتی ہے، کہ ہم شہد کی مکھیون کی طرح مختلف پھولون سے کیونکر غذا حاصل کرین، گویا ارسطو کی منطق اتکالی اور جدید منطق استقلالی ہے، یعنی وہ دوسرے پر اور یہ اپنی ذات پر اعتماد کرتی ہے، ارسطو کی منطق کا عربی علوم پر یہ اثر ہے کہ عربی تالیفات مین کوئی جدت نہین پیدا کی جاتی، بلکہ انھین پرانے مسائل مین ترتیب کے فقرے کچھ رد و بدل کر دیتے ہین، ابن خلدون جیسے جدت پسند مولفین کی تعداد بہت کم ہے، اسی قدامت پسندی کی بنا پر اگر سکاکی کے بعد کی تمام بلاغت کی کتابین فنا کر دی جائین، ابن ہشام کے بعد کی نحو کی کتابین جلا دی جائین، اور عباسیون کے بعد کے منطقی ترجمات تلف کر دے جائین، تو زیادہ نقصان نہ ہوگا، البتہ ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم مین یہ نقائص کسی حد تک کم ہین،

دوسری خصوصیت جو پہلی خصوصیت کا لازمی نتیجہ ہے، یہ ہے کہ عربی تالیفات اپنے عہد تالیف مین زمانہ کی اجتماعی حالت اور حکومت سے بالکل متاثر نہین ہوئین، حالانکہ علوم کو اپنے نشو و نما مین اپنے زمانہ کی طبیعت سے استمداد ضروری ہے کہ اسی زمانہ کے مطابق اس زمانہ کی رائج الوقت اشیاء سے مثالین اخذ کی جائین، اور اسی زمانہ کی طبیعت کے مطابق اس کی غرض و غایت متعین کی جائے اور اسی کے مطابق اسلوب اور انداز بیان اختیار کئے جائین، لیکن گو زمانہ بدل چکا ہے، لیکن ہماری

کتابون مین اب تک وہی قدامت جلوہ گر ہے، فقہ کی کتابون کے ابواب الطہارۃ مین ابھی تک بزازون کے گزسے پانی ناپا جاتا ہے، اور موجودہ زمانہ کے آلات پیمایش کیطرف توجہ نہین کی جاتی ہے، زکوۃ مین ابی "صاع" سے کام لیا جاتا ہے، نئے پیمانون کا مطلق لحاظ نہین کیا جاتا، "متعہ" ابھی تک کرتی دوپٹہ اور چادر تک محدود ہے، زمانہ حال کے ملبوسات کو کوئی خیال مین بھی نہین لاتا، فقہ مین شرکت کی جو تقسیم "شرکت معاوضہ" "شرکت عنان" "شرکت وجوہ" کے عنوان سے آج سے صدیون پیشتر فقہا کر گئے ہین، وہ علی حالہ قائم ہے، جدید شرکتون کی طرف کسی کی نظر نہین جاتی، زکوۃ مین عشر و خراج ہی کا استعمال ہے، جنگی کے موجودہ نظام سے اسکا کوئی تعلق نہین ظاہر کیا جاتا، اہرام مصر کے بنانے والون کا آج نام بھی معلوم ہو گیا، لیکن ہماری لغت کی کتابون مین ابھی تک یہی ہے، کہ اسکو حضرت ادریس علیہ السلام یا سنان بن مشلل نے بنایا تھا (فیروز آبادی) چاند گرہن اور سورج گرہن کا علم انھین پرانے طریقون سے حاصل کیا جاتا ہے، جو نئے علوم کے بالکل منافی ہین، اس قسم کے نقائص علم کی ہر شاخ مین موجود ہین،

اب ہم متعین طور پر زیادہ صاف اور واضح الفاظ مین عربی تالیفات کے عیوب گناتے ہین،

(۱) سب بڑا نقص مثالون مین یہ ہے کہ یہ ہمارے ماحول سے نہین لی گئی ہین، اور ہماری زندگی سے ان کی زندگی وابستہ نہین ہے، اگر اس نقص سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، تو ان کی قدامت ہی کا نقص کیا کم ہے، کہ صدیون پر صدیان اور قرنون پر قرن گذر گئے، لیکن یہ مذہبی عقائد کی طرح بلا کسی ترمیم کے بجنسہ قائم ہین، حالانکہ اب لوگون کو ان مثالون سے اسی قدر نفرت ہے جسطرح پرانے اور بوسیدہ کپڑون سے نفرت ہو جاتی ہے،

(۲) دوسرا نقص طریقہ تالیف مین ہے، اکثر عربی تالیفون مین ابہام و اغلاق ہوتا ہے، بعض مقامات پر یہ ابہام اس حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ صرف رمز و کنایہ معلوم ہوتا ہے، مثلاً اصول فقہ کی کتابون کو لو ان کے مولفین نے موضوع کے سہل اور عام فہم بنانے اور ذہن سے قریب تر کرنے مین زیادہ کوشش نہین کی، بلکہ قدیم طرز پر متن کو مرکز بنایا پھر اس پر شرح شرح پر حاشیہ حاشیہ پر تقریر کے تو بر تو حجاب ڈال دیے

حالانکہ مصنف کا پہلا فرض ہے کہ لکھنے کے قبل موضوع کو خوب سوچ سمجھکر ذہن نشین کرے، پھر اسکو ایسا آسان سہل اور مسلسل لکھے کہ شرح اور حاشیہ کی حاجت ہی باقی نہ رہے،

اس نقص پر دوسرا مستزاد نقص یہ ہے کہ تمام مولفین ایک موضوع پر مختلف طریقون سے لکھنے اور اسکے مختلف پہلوؤن کو اجاگر کرنے کے بجائے اسی بوسیدہ اسلوب اور پرانے ڈھرے پر چلتے مین، پہلے تعریف کرتے ہین، پھر قدیم طریق سے جزئیات پر بحث ہوتی ہے، حالانکہ تعریف سے ابتدا نہ کرنی چاہیئے، خصوصاً اس صورت مین جبکہ تعریف دقیق ہو، اگر اسکو نظر انداز بھی کر دیا جائے، کہ یہ طبعی طریقہ نہین ہے کیونکہ تعریف خاتمہ اور نتیجہ بحث ہے، اسلئے اسکو بعد مین ہونا چاہیئے، تو یہی نقص کیا کم ہے، کہ اس صورت مین طلبہ کو سمجھانے مین دشواری ہوتی ہے،

(۳) تیسرا نقص عربی تالیفات کا جمود ہے، کہ جس موضوع پر اسلاف جس حد تک لکھ گئے ہین، بس اسی کو کافی سمجھا جاتا ہے، اسکا نتیجہ یہ ہے، کہ ایستادہ پانی کی طرح عربی تالیفات گندی ہو گئی ہین، اور ان مین عفونت پیدا ہو گئی ہے، بلا استثنا تمام عربی مولفین اسی پرانے نقش قدم پر چل رہے ہین، اور نئے مولفین کوئی نئی بات نہین پیدا کرتے، گویا ہمارے علوم مکمل ہو چکے، اور اب اس مین کسی اضافہ کی گنجایش نہین ہے، نہ نیا موضوع باقی ہے، نہ نئی مثالین باقی ہین، نہ نیا اسلوب باقی ہے،

اس جمود کا کھلا ہوا نتیجہ تم کو ان معلمون مین نظر آئے گا، جو عربی کے ساتھ دوسری زبانین شروع کرتے ہین، لیکن تھوڑے دنون مین اجنبی زبان اچھی طرح سیکھ لیتے ہین، بلکہ اسی قالب مین ڈھل کر عربی کو چھوڑ دیتے ہین، یہ کیون؟ محض اس لئے کہ دوسری زبانون کے سیکھنے مین لذت اور اسکی فکر نگی مین راحت محسوس ہوتی ہے اور گو عربی زبان ان کی قومی زبان ہوتی ہے، اس لئے اسکو ان کے ذوق سے قریب تر ہونا چاہیئے، پھر بھی طلبہ اجنبی زبانون کے ادیبون، ان کی تالیفات اور ان کے آداب سے واقف ہو جاتے ہین، مگر عربی ادیبون اور ان کی تالیفات سے واقف نہین ہوتے، اسکا سبب یہ ہے کہ مغربی لٹریچر کے تخیل مین ایک جدت ہوتی ہے

وہ زمانہ کے مذاق کے مطابق ہوتا ہے، اس مین ایک روح ہوتی ہے، ایک زندگی ہوتی ہے، ایک لطف ہوتا ہے، جسکا عربی زبان مین نشان تک نہین ملتا، آج عربی ادب مین ایسے افسانے اور قصص کہان ہین جو ہماری اجتماعی زندگی کی تصویر کھینچتے ہون، ایسے اشعار کہان ہین، جو ہمارے رجحانات سے میل کھاتے ہون، ایسی آب درنگ کی جاذب توجہ کتابین کہان ہین جنکو ہم اپنے نوجوان لڑکون اور لڑکیون کو دیکران کو تہذیب کا سبق دین، ایسے لطیف اور مصور قصے کہان ہین، جنھین ہم اپنے بچون کو دین، حق یہ ہے کہ اس لحاظ سے ہم بالکل نادار بلکہ بے حقیقت ہین،

اب ہم مثال کے طور پر دو علمون کے عیوب دکھا کر ان کی اصلاح اور ان کے علاج کا طریقہ بتاتے ہین،

علم بلاغتہ۔ اگر تم علم بلاغت پر نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا، کہ اس کی ابتدا اسوقت ہوئی، جب علماء نے کلام کے فصیح اور غیر فصیح ہونے کے اسرار اور اسباب پر بحث شروع کی، جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت یا کوئی بلیغ شعر پیش کیا جاتا تھا، تو یہ انکی خوبی کے اسباب اور فصاحت کے اسرار کی علمی تعلیل کرتے تھے، اور یہ ابوعبیدہ معمر بن مثنی المتوفی سنہ ۲۱۰ھ کا طریقہ تھا، عام طور پر علماء کی یہی روش قائم رہی، تا آنکہ عبدالقاہر جرجانی المتوفی سنہ ۴۷۱ھ نے ان تمام مباحث کو جمع کرکے اپنی کتاب دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ مین مرتب صورت مین پیش کیا، انھون نے اپنی تالیف مین کلام کی فصاحت وبلاغت کے اسباب کی بحث کو تالیف کی بنیاد قرار دیا، مثلاً تقدیم وتاخیر پر اس حیثیت سے بحث کی کہ اسکو عربی زبان کی فصاحت وبلاغت مین بڑا دخل ہے، ان مین بڑی خوبی یہ ہے کہ فصاحت وبلاغت کی بحثون مین عقلی تعلیل سے زیادہ ادبی ذوق پر اعتماد کرتے مین بلیغ مثالین دیکر پوچھتے ہین، کہ ان سے تمپر کوئی کیفیت یا وجد نہین طاری ہوتا، اگر اسکو بدل دو تو اس کی خوبی اور اسکا لطف تو نہ جاتا رہے گا؟ عربی مؤلفین مین ان کو مثالون کے انتخاب کا خاص ذوق سلیم حاصل تھا، اور اپنے مفہوم کی تعبیر نہایت ادیبانہ

اور انشا پردازانہ طرز مین کرتے تھے، اسلئے ان کا اسلوب ان کی بحثون سے زیادہ مفید ہے، ان کے بعد جب سکاکی المتوفی سنہ ۶۲۶ھ کا زمانہ آیا، تو انھون نے علم بلاغت کو منطقی رنگ مین رنگ دیا، مسائل کی فصلین قائم کین، ہر نوع کا خاص نام رکھا، تقدیم وتاخیر اور فصل ووصل کے مواقع متعین کیے، غرض بلاغت کے تمام مسائل کو محدود و محصور کرکے نہایت خشک فلسفیانہ عبارت مین ادا کیا، اسوقت سے اس علم کی حقیقی رفتار رک گئی، چنانچہ ان کے بعد کی جسقدر تالیفات ہین، ان مین سے کسی مین کوئی ندرت نہین ہے، بلکہ انہین پرانے مسائل کو کسی نے مطول بنا دیا، کسی نے مختصر کر دیا، کسی نے مبہم عبارت کی تشریح کر دی، کسی نے کسی لفظ کی تغیر کر دی، اور بس، اسلئے یہ کتابین ہمارے زمانہ کے معلمون کے لئے کافی نہین ہین، ان سب مین وہی پرانی مثالین ہین، ان سے لطف حاصل ہونے کے بجائے، اور تنغص پیدا ہوتا ہے،

زیدٌ اسدٌ ولہ لبدٌ اظفارہ لم تقلم وھو کثیر الرما ذو جبان الکلب وکان عمرا شقیق اذا تصوب ادی تصعد ولیت سابعنا علی الاباطح، ان مثالون سے کیا خاک لطف حاصل ہوگا، سمجھ مین نہین آتا، کہ تالیفات مین اس پرانے طرز کی اب کیا ضرورت باقی ہے، کہ تقدیم کے یہ مقامات مین تاخیر کی یہ جگہین ہین، وصل وفصل کے فلان فلان مواضع ہین، ان نامون کی جو مختلف استعارون کے لئے وضع کئے گئے ہین، نہ اب کوئی ضرورت باقی ہے، اور نہ ان کی کوئی قیمت ہے،

معلوم نہین اب تالیفات مین یہ جمود کیون ہے، حالانکہ آج کل ہمارے گرد وپیش کی مخترعات نے ہمارے زندہ اور موجود ذہن مین ایسی تشبیہین ایسے استعارے اور ایسے کنائے پیدا کر دئے ہین، جن کی ندرت اور زندگی سے ہمارا نفس لطف اندوز ہو سکتا ہے، علم بلاغت تو علم النفس کا خادم ہے، اس لئے جسقدر ہم لوگون کے ملکات اور ان کے مائل کرنے کے طریقون کے پہچاننے مین ترقی کرتے جائین، اسی قدر ہمارے لئے ضروری ہے کہ بلاغت کو بھی انھین راستون پر پھیرتے جائین، تاکہ لوگون کی عقلون ارادون اور رجحانون مین اثر پیدا کرے،

اگر تم جدید مذاق کی بلاغت کی غرض و غایت متعین کر لو، تو تم کو قدیم بلاغت جسکو لوگ اس نام سے تعبیر کرتے ہین، مضحکہ انگیز ہوگی، بلاغت کا مقصد کیا ہی؟ صرف یہ کہ اچھا لکھ سکو، اچھا بول سکو، لیکن کیا پرانی تالیفات سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے؟ ہرگز نہین بلکہ یہ عجب الٹا اثر ہے، کہ جو لوگ سکا کی اور اسکے ذیول کو جسقدر اچھا پڑھ سکتے ہین، اسی قدر وہ لوگ خطابت اور انشا پردازی کی بلاغت سے دور ہوتے ہین،

ہماری بلاغت کی کتابون مین ایسے مباحث کہان ہین جن مین بلاغت کے تمام اوصاف اور اسکی خوبی کے تمام شرائط اور اسکے اچھے نمونے موجود ہون بلیغ قصص اور اسکی دوسری انواع کے مباحث کہان ہین، ہمارے ادب کے برعکس مغربی لٹریچر کا بڑا حصہ انہین پر مشتمل ہی، ہماری بلاغت کی کتابون مین جدل، مناظرہ اور ان کے ان طریقون کا جنکو مناظر اپنی بحثون مین اختیار کرتے ہین، کوئی تذکرہ نہین، کسی کو یہ بھی نہین معلوم کہ خطابت کیا چیز ہے، اور اسکی سیاسی قضائی اور مذہبی قسمین کیا ہین، اور ہم کسطرح خطیب بن سکتے ہین،

ان مذکورۂ بالا چیزون کی ہماری کتابون مین اتنی کمی ہی، کہ ان سے طلبہ کی تشفی نہین ہو سکتی، ان کتابون مین اصل موضوع کی بہ نسبت الفاظ کے نظم و ترتیب کو زیادہ مد نظر رکھا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت مین یہی وہ موضوع اس کی مثالین اور یہی وہ مقدمات ہین، کہ جب ان کی تعلیم دی جائیگی، اور طلبہ کے سامنے ان کے اچھے نمونے پیش کر کے پھر ان سے فرمایش کی جائیگی کہ اسکی نقل کرین، تب مفید نتیجہ برآمد ہوگا، اور فصیح و بلیغ اشخاص پیدا ہون گے،

علم لغت، یہ غالباً ہم مین سے ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ لغت انسانی مقصد کی تعبیر اور اسکے ما فی الضمیر کے اظہار کا آلہ ہی، اور اسکو کاریگر، معلم، فسانہ گو اور ہر صاحب غرض اپنی غرض کو دوسرے کے سمجھانے کے کام مین لاتا ہے، گویا انسان اسکا خادم نہین ہی، بلکہ یہ انسان کا خادم ہے، اسلئے اسکو انسان کی زندگی کے کیسا ساتھ چلنا چاہئے جب انسان کی زندگی سادی اور اسکی ضروریات مختصر ہون، تو اسکو بھی سادہ اور مختصر ہونا چاہئے، اور جسقدر انسان اپنے مراتب و حالات مین ترقی کرتا جائے، اسقدر اسمین بھی وسعت اور نشو و نما

ہونی چاہئے،

یہ ایسا بدیہی اور کھلا ہوا اصول ہے کہ اسکے سامنے تمام زبانون کو جھکنا پڑتا ہے،

عربون کی زندگی جاہلیت مین بدویانہ تھی، ان کی ضرورتین محدود اور ان کی زندگی بسر کرنے کے وسائل بالکل سادہ تھے، ان کو ہمارے تہذیب و تمدن کی طرح صنعت و حرفت کے باریک اور زیادہ آلات کی ضرورت نہ تھی، ان کو مختلف قسم کی علمی اصطلاحون کی حاجت نہ تھی، کیونکہ ان کا کوئی علم ہی نہ تھا، اس کا فطری اقتضا یہ تھا، کہ اسوقت عربی زبان علوم کی اصطلاحات، پیشون کے اوزار، زیب و زینت و عیش و تنعم کے سامان اور بلند مدنیت کے تمام دوسرے لوازم سے تہی مایہ تھی،

ان کی زندگی کی اکثر ضروریات کا دار و مدار اونٹ پر تھا، کھانے پینے پہننے اور سواری کی تمام ضروریات اسی سے پوری کرتے تھے، اسلئے قدرۃً ان کی زبان مین اونٹ کے متعلق بکثرت لغات موجود تھے، اونٹ اور اسکے مختلف اجزا کے سیکڑون نام تھے، یہانتک کہ اگر علما چاہتے تو صرف اونٹ یا اسکے متعلقات پر مستقل لغات تالیف کر سکتے تھے، جسمین ان چیزون کے علاوہ دوسرا ایک لغت بھی نہ ہوتا، جاہلیت کی زندگی جنگ جویانہ تھی، قبائل مین ہمیشہ جنگ چھڑی رہتی تھی، اسلئے آلات حرب مین بھالے، تیر، تلوار اور نیزہ وغیرہ کے نام کثرت سے موجود تھے، بلکہ ایک ایک ہتھیار کے کئی کئی نام تھے، جنگ کے لوازم مین جن جن معانی اور مفاہیم کی ضرورت ہوتی ہے، سب کی تعبیر کے لئے اُن کے پاس الفاظ کا سرمایہ موجود تھا،

اس سے ہم نہایت آسانی کے ساتھ اندازہ کر سکتے ہین، کہ عربی زبان کن چیزون مین مستغنی اور کن چیزون مین محتاج ہی، صحرا اور میدانون کے باشندے جو ساحلی مقامات سے دور رہتے ہین، وہ مچھلی کو نہین جانتے، اسلئے انکو مچھلی اور مچھلی کی مختلف قسمون کے نامون کی ضرورت نہین ہی، اسکے برخلاف ساحلی مقامات کے باشندون کو ان نامون کی سخت ضرورت ہی، اور ان کو مختلف اقسام کی نباتات یا اور جو چیزین صحرا مین پیدا ہوتی ہین ان کے نامون کی ضرورت نہین ہی،

بداوت کے دور کے بعد جب عربون مین تمدن آیا اور وہ رومیون اور فارسیون سے ملے، ان کے شہرون مین آمد ورفت شروع ہوئی، وہان زیب وزینت اور عیش وتنعم کے سامان دیکھے، فنون لطیفہ اور باریک صنعتین نظر آئین، حکومت اور دواوین کی تنظیم پر نظر پڑی، تمدن نے نئے معانی نئے علوم اور نئی اصطلاحون کی ضرورت پیدا کی، تو اُنھون نے اپنے آپ کو ان چیزون کی تعبیر کے لئے مجبور پایا، پھر جب یہ تمام چیزین ان کے قبضہ مین آگئین، تو ان کی تعبیر کے لئے عربی لغت کو کام مین لانا ضروری ہوگیا، چنانچہ انھون نے اپنی زبان کو زمانہ کے حالات کے مطابق بنالیا، حکومت اور دیوان جیسے الفاظ کے مدلولات مین وسعت پیدا کی، کہین عجمی الفاظ کی تعریب کی، کہین ان سے اشتقاق کیا، کہین ان مین تراش خراش کی، اور ان کی بدوی زبان ان کی تمدنی ضروریات پوری کرنے لگی، آلاتِ موسیقی مین دف کی جگہ عود، قانون اور بربط نے لی، کھانے مین کھجور کی بجائے فالودہ اور سکباج رائج ہوا، پشمینہ کی جگہ بچہ کاری کے کام اور قاشانی سے گھر مزین ہوئے،

اسکے بعد پھر جمود پیدا ہوگیا، اور شریعت کی طرح لغات مین بھی اجتہاد کا دروازہ بند ہوا، پھر کسی نے نہ کوئی جدید لفظ وضع کیا، نہ معنی مین تغیر پیدا کیا، نہ کسی مدلول کے معنی مین وسعت دی،

آج دولت عباسیہ کے زمانہ سے کہین زیادہ تمدن ترقی کرگیا ہے، نئے تمدن نے تمام دنیا کو اختراعات آلات اور اوزارون سے بھر دیا ہے، زندگی بدلکر بہت بلند ہوگئی ہے نئے علوم شاخ درشاخ ہوکر بہت آگے بڑھ گئے ہین، ابھی زبانون مین ان مین سے ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کے مخصوص اور مستقل نام ہوگئے ہین،

اب اگر ہم ایک طرف عربی زبان کو دیکھتے ہین، پھر ان علوم آلات اور مخترعات پر نظر ڈالتے ہین، تو عربی کا جامہ ہماری موجودہ حالت پر ٹھیک اُترتا نہین معلوم ہوتا، کہین پر ڈھیلا ہے، کہین پر تنگ ہے، کہین پر پھٹا ہے، آج ہم کو شیر کے ۵۰۰ نامون اور شہد کے ۸۰ نامون کی ضرورت نہین ہے، صرف چند نام کافی ہین، ان کے بجائے آج ہم کو ان الفاظ اور اصطلاحون کی ضرورت ہے، جو عربی زبان مین موجود نہین ہین،

اب ہمارے سامنے دو صورتین ہین، یا تو جو کچھ عربون نے کہا ہے، اسکو مقدس سمجھکر اُسی پر قانع

رہین اور کوئی نیا اضافہ نہ کرین، اس صورت مین عربی زبان لاتینی اور عبری وغیرہ کی طرح ایک اثری زبان رہ جائے گی، یا عربی زبان کو زندہ کرنے کا قصد کرلین، اس صورت مین ہمکو زندگی کے قوانین کے سامنے سر جھکانا ضروری ہوگا، اور لوگون کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلکر تجدد اور نشو ونما حاصل کرنا ہوگا، اور ہمکو بھی دوسری صورت اختیار کرنی چاہئے،

ذیل کے اسباب کی بنا پر ہماری لغت کی تمام کتابین موجودہ زمانہ کے لئے بالکل ناموزون ہین،

(۱) ہماری لغت کی کتابین مردہ الفاظ سے پُر ہین جن کا استعمال اب کہین نہین ہوتا، اِن مردہ الفاظ کی کثرت سے ذہن منتشر ہوجاتا ہے، اور یہ انتشار ضروری اور مستعمل لغات کو حاصل کرنے مین بھی رکاوٹ پیدا کرتا ہے، بہتر صورت یہ ہے، کہ اس قسم کی دو ایک عام اور کتابین بھی موجود ہون جنمین ہر قسم کے لغات اور اصطلاحات مل سکین، لیکن یہ خاص خاص صورتون کے لئے مخصوص ہون تاکہ لوگ عند الضرورت اس سے استفادہ کرین لیکن تعلیمی لغات جو عام طور پر رائج ہون، ان مین صرف زندہ الفاظ اور مصطلحات ہونے چاہئین،

(۲) دوسرا نقص یہ ہے کہ یہ کتابین جدید علوم کا ساتھ نہین دیتین، حالانکہ ان کا ساتھ دینا ضروری ہے، تاکہ مثلاً جہان پر کسوف وخسوف کا لفظ آئے، وہان ہم جدید ہیئت کے آخری فیصلہ کے مطابق اس کی تشریح کرسکین، جہان اہرام کا لفظ آئے، وہان ہم وہی تشریح کرسکین جو مصر کے علمائے تاریخ نے کی ہے، جہان نباتات یا حیوانات کا ذکر آئے، وہان ہمکو اسکا علمی نام معلوم کرنا چاہئے، پھر علمائے نباتات اور حیوانات کی رائے کے مطابق اسکے تمام ممیزات کی شرح کرنی چاہئے، یہی طریقہ تمام الفاظ اور اصطلاحون مین اختیار کرنا چاہئے،

(۳) تیسرا اور سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان مین نئی علمی اصطلاحین نئی تمدنی ضرورتون کے الفاظ، نئے اختراعات اور اکتشافات کی مصطلحات نہین ہین حالانکہ ان کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے،

علامہ ابن الجوزی کے افکار یا اُن کا روزنامچہ

از

مولوی عبد العزیز صاحب میمن استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

علامہ[1] ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی الصدیقی الحنبلی مولفین اسلام کی پہلی صف میں جگہ پانے کے مستحق ہیں، جن کی یادگار، ۵۰۰ سے کچھ زیادہ تالیفات ہیں، اور بعض لوگ ... جلدیں بتاتے ہیں، جو چندان مستبعد نہیں، کہتے ہیں کہ اُن کی وفات کے بعد ان کی تالیفات کے جملہ اجزا ان کے ایام حیات پر تقسیم کئے گئے، تو ہر دن کے حصہ میں ۹ جزو پڑے، یہ بھی مروی ہے کہ ان کی قلموں کا برادہ جن سے یہ احادیث نبوی لکھتے تھے، جمع کیا گیا اور اس سے پانی گرم کرکے ان کو نہلایا گیا، مگر ہنوز کچھ برادہ بچ رہا، ان کی تالیفات کے موضوع بھی نہایت دلآویز ہیں، میں ان کی مطبوعہ تالیفات کے نام گنا تا ہوں،

تلقیح فہوم اہل الاثر، التحقیق فی احادیث الخلاف، مناقب بغداد، مناقب عمر بن الخطابؓ، مناقب عمر بن عبد العزیز، تلبیس ابلیس، الاذکیا، الحمقی والمغفلون، تنبیہ النائم الغمر علی مواسم العمر، دفع شبہۃ التشبیہ، صید الخاطر وغیرہ وغیرہ،

اس موخر الذکر کتاب سے سر دست بحث کرتا ہوں، جو ابھی ابھی مصر میں محمد امین الخانجی کے اہتمام سے چھپی ہے، اس میں مؤلف نے تمام خیالات و خواطر جو وقتاً فوقتاً زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے دل پر طاری ہوتے رہے، قلم بند کر دیے ہیں، سبط ابن الجوزی اس کو تین مجلدات میں بتاتے ہیں، مگر ہمارے سامنے تو یہ ایک جلد میں مکمل نظر آتی ہے، خود ابن الجوزی نے اپنے فرزند کو لفتۃ الکبد الی نصیحۃ الولد کے آخر میں ان الفاظ میں اسکے پڑھنے کی وصیت کی ہے، وتلمح کتاب صید الخاطر فانک تقع بواقعات تصلح للواعظ[illegible]

[1] میرے خیال میں ابن الجوزی کے حالات پر ان کے نواسے سبط ابن الجوزی سے بہتر اور کوئی نہیں لکھ سکتا، ملاحظہ ہو مرآۃ الزمان[illegible] ج ۸ مطبوعہ شکاگو امریکہ ص ۳۱۰-۳۲۶

سنک و دنیاک، علاوہ اُن ضروری مسائل کے جو اتنے بڑے علامہ کے دل میں گذرتے ہوں گے، بغداد بلکہ عالم اسلام کے قرن ششم کے صدہا معاشی، اجتماعی، سیاسی، علمی وغیرہ احوال پر، یہ کتاب بہت اچھی روشنی ڈالتی ہے،

میں یہاں اس کی مختلف فصلوں کے چند تراجم دیتا ہوں، جو امید کہ فائدہ سے خالی نہ ہوں گے،

طب و حفظ صحت میں نے اس مسئلہ پر جو غور کیا، کہ دنیا دار سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے انتہائی سامان کیوں مہیا کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس سے تو الٹا وہ اصل مقصد کو کھو بیٹھتے ہیں، ان کا مقصد محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے، بھلا وہ لذت کس مصرف کی، جس کی انتہا درد و تکلیف پر ہو، گرمیوں میں لوگ برف کا پانی پیتے ہیں جو سخت مضر ہے، اطبا کا قول ہے، کہ اس سے بہت بُرے امراض پیدا ہوتے ہیں، جنکا اثر بڑھاپے میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح فرشی پنکھے جو وقتاً فوقتاً پانی میں تر کئے جاتے ہیں، اور سردی میں لبادے پہنتے ہیں حالانکہ یہ سب حکمت الٰہی کے منشا کے خلاف ہیں، کہ گرمی سے اسکا مقصد تحلیل اخلاط ہے، اور سردی سے ان کو افسردہ کرنا، مگر یہ لوگ تو سارے سال کو موسم بہار لیتے ہیں، جس سے سردی اور گرمی کے پیدا کرنے کی حکمت سراسر فوت ہوئی جاتی ہے، اور وہ جسموں کے لئے الٹی مضر پڑتی ہیں، میرا قول تو یہ ہے، کہ موسم سے بچنے میں افراط نہ کی جائے، بلکہ گرمی میں کچھ حرارت برداشت کرنی چاہئے، تاکہ ردی اخلاط کی تحلیل ہو جائے، مگر اتنی کہ طاقت کو کم کر دے، اسی طرح سردی بھی اس حد تک پہنچنی چاہئے، کہ آزار نہ پہنچائے، کہ سردی اور گرمی دونوں جسم کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہیں، ایک رئیس کا معمول تھا، کہ اپنے جسم تک وہ سردی اور گرمی کا اثر بالکل نہ پہنچنے دیا کرتا، جس سے اسکا پیٹ پھول گیا، اور اُس نے جان دیدی، میں نے اس قصہ کا اپنی تالیف لقط المنافع میں ذکر کیا ہے،

آداب دیکھتا ہوں کہ لوگ عموماً جسمانی ضرورتوں کا خیال نہیں کرتے، بعض لوگ کھانے کے بعد خلال نہیں کرتے، کوئی چکنے ہاتھ نہیں دھوتا، کوئی مسواک نہیں کرتا، کوئی سرمہ نہیں لگاتا، اور کوئی بغل کے بال نہیں لیتا،

وغیرہ وغیرہ، سواس سے دین اور دنیا دونون مین خرابی پیدا ہوتی ہے، دین مین تویون کہ شرعاً
صفائی اور غسلِ جمعہ کا حکم ہے، کہ اس موقع پر لوگوں سے میل جول ہوتا ہے، لہسن کھاکر مسجد مین داخل ہونا
ممنوع ہے، شارع کا حکم ہے کہ انگلیون کے پوروے تک صاف کئے جائین، اسی طرح ناخن لینا، مسواک
کرنا، صفائی کرنا وغیرہ آداب ہین، سو اگر یہ امور چھوڑ دیئے گئے، تو گویا چند سنتین ہاتھ سے دیدین، بلکہ بعض اوقات
ایسا کرنے سے عبادت ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً اگر انسان ناخن نہ لے، تو ان کے نیچے میل جمع ہوجائے گا،
جو وضو کے پانی کو اندر پہنچنے نہ دیگا، دنیاوی نقصان یہ ہے، کہ بعض جسم سے بے پروا لوگ کبھی مجھسے کان مین باتین
کہنے کے لئے آگے بڑھتے ہین، اور جب وہ باتین شروع کردیتے ہین، تو مین منہ نہین موڑ سکتا، اور اسی طرح مجھے
ان کی گندہ دہنی سے سخت کوفت ہوتی ہے، شاید ان مین سے بہتیرے آدمی سوکر اُنگلیون سے بھی دانت صاف
نہ کرتے ہون گے، کبھی یہ عادت اندر ہی اندر بیوی کو شوہر سے بد دل کردیتی ہے، کہ وہ خاوند سے اُسکا ذکر نہین
کرسکتی، ابن عباسؓ فرماتے ہین، مین چاہتا ہون کہ بیوی کی دلدہی کے لئے پاک صاف رہون، جسطرح یہ چاہتا
ہون کہ وہ میرے لئے صاف ستھری رہے، شاید کوئی یہ کہے کہ یہ ناحق کا تصنع ہے، مگر یہ بات قابلِ التفات نہین
اسلئے کہ خود خدا نے ہمین پیدا کرتے وقت بہت سی زیبائشون سے آراستہ کیا ہے، بھلا آنکھون کی پلک اور ابروئین
چشم بینا کو حسن ترتیب صاف نہین دکھائی پڑتی، خود سرورِ عالم صلعم انتہا درجہ پاک اور ستھرے رہتے، احادیث
مین ہے، کہ آپ جب ہاتھ اُٹھاتے تو بغل کے نیچے کی سفیدی نمایان ہوتی، کبھی آپ کی پنڈلی نظر آتی تو معلوم ہوتا، کہ
کھجور کا گودا ہے، کبھی آپ مسواک نہ چھوڑتے، خواہ حضر مین ہون، یا سفر میں، آپ کو یہ ناپسند تھا، کہ کوئی بھی آپ سے
بدبو محسوس کرے، انسؓ ایک صحیح حدیث مین فرماتے ہین، اللہ نے آپ کو سفید بال سے معیوب نہیں کیا تھا، (گویا
بالون کا سفید ہوجانا ایک عیب ہوا،) حکماء کا قول ہے کہ جس کے کپڑے پاکیزہ ہون گے، وہ بہت سی فکروں سے
نجات پائے گا، اور جس سے خوشبو آئے گی، اُس کی عقل زیادہ ہوگی، سرورِ عالمؐ نے ایک روز اپنے چند اصحاب
سے فرمایا، تم میرے پاس زرد دانت لیکر کیون آتے ہو مسواک کیا کرو، مسواک کی نماز کو دوسری نماز پر بہت

کچھ فوقیت ہے، ستھرا آدمی اپنے تئین خوش وخرم رکھتا ہے، اور دوسروں کو بھی راحت پہنچاتا ہے، حکماء کہتے
ہیں، جس کے ناخن لمبے ہون گے اس کا ہاتھ کوتاہ رہے گا، پھر خلقِ خدا کے دلوں مین اس کو جگہ گھٹے گی، اور ہر لعزیز
ہوجائے گا، حضور صلعم خوشبو کو بہت پسند کیا کرتے تھے، مین نے بہت سے مدعیانِ زہد و اتقا کو دیکھا ہے، کہ وہ
با این ہمہ دعوٰی سارے جہان سے گندے ہیں، اسکا باعث صرف یہی ہے کہ علم نے ان کے زہد کی کجی کو دور
نہیں کیا، حکایت ہے، کہ کسی نے داؤد طائی سے کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر آپ اپنی ڈاڑھی مین کنگھی کرلیا کرتے
وہ بولے کہ مجھے کچھ اور ہی مصروفیت ہے، سو یہ قول ترکِ سنت کے لئے ایک بہانہ ہے، الخ

تالیف و تعلیم کا مقابلہ

مین نے غور سے جو دیکھا، تو معلوم ہوا کہ زبانی تعلیم کے مقابلہ مین تالیف کا فائدہ بہت زیادہ
ہے، کہ مین عمر بھر کی محنت سے معدودے چند اشخاص کو فائدہ پہنچا سکتا ہون، مگر تالیف سے بیشمار مخلوقات کو
فائدہ پہنچاتا ہون، جن مین کے بہت سے تو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے، اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ متقدمین کی تالیفات
سے اپنے زندہ اساتذہ کے مقابلہ مین کہین زیادہ بہرہ اندوز ہوتے ہین، پس عالم کو چاہیئے کہ وہ ہمہ تن تصنیف
کا دلدادہ ہوجائے، بشرطیکہ وہ اپنے اندر پوری صلاحیت دیکھتا ہو، کہ ہر مصنف مصنف نہیں ہے، صرف چند اشیا
کو یکجا کردینا تصنیف کا مقصد نہیں، یہ تو وہ رازہائے سربستہ ہین جنپر اللہ اپنے مخصوص بندون ہی کو مطلع کرتا ہے،
مصنف یا تو بکھری ہوئی چیزون کو سمیٹ کر یکجا کردیتا ہے، یا پراگندہ چیزون کو مرتب کرتا ہے، یا قابلِ تشریح باتون
کی تشریح کرتا ہے، مفید تصنیف تو اسی طرح ہوا کرتی ہے، تصنیف کے لئے درمیانی عمر سے فائدہ اٹھانا چاہیے،
اسلئے کہ آغازِ شباب طلبِ علم کے لئے ہے، اور آخرِ عمر حواس کی ناکارگی کے لئے، یہ بات عام حالات کی بناپر
ہے، ورنہ کوئی غیب نہین جانتا، اس لئے حفظ و طلبِ علم کا زمانہ ۴۰ سال تک ہے، پھر تصنیف و تعلیم کا زمانہ ہے
بشرطیکہ توفیقِ الٰہی اوائلِ عمر مین شاملِ حال رہی ہو، اور ۴۰ سے پہلے ہی ضروری تکمیل کرلی ہو، ورنہ ذرائع طلب
اگر کوتاہ رہے ہون یعنی ضروری کتابین مہیا نہ ہوئی ہون، یا اوائلِ عمر مین راہِ طلب مین کچھ رکاوٹین حائل ہوگئی
ہون، تو تعلم کی انتہا ۵۰ سال تک رکھے، پھر تصنیف و تعلیم شروع کردے، ۷۰ سال تک پھر تعلیم سماعِ احادیث

معرفتِ عمل اور زیادہ کردینی چاہیے، تا ۶۰ سال، ۶۰ کے بعد پھر زیادہ تر ذکرِ آخرت اور آمادگیِ کوچ ہی میں وقت بسر کرنا چاہیے، البتہ تحصیلِ ثواب کے لئے ضروری تعلیم وتالیف مین کوئی مضائقہ نہین، یہ آخرت کے لئے بہترین طیاری ہے، اب اُسے ہمہ تن اپنے نفس کو پاک رکھنا، عادات کو درست کرنا، اور پورے طور پر اپنی غلطیون کی اصلاح کرلینی چاہیے، اگر اسی اثنا رمین اُس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، تو مومن کی نیت عمل سے کچھ بہتر ہی ہوتی ہے، اور اگر اُس نے یہ مدارج پائے، تو ہم بیان کرہی چکے ہین، کہ ہر ایک منزل مین اُسے کیا کرنا چاہیے، سفیان ثوری فرماتے ہین، جو آنحضرت صلعم کی سی عمر (۶۳) سال پالے، اُسے اپنے لئے کفن طیار کرلینا چاہیے، بعض علماء ۷۰ سال کے بھی ہوئے ہین، جسطرح امام احمد وغیرہ، سو اگر انسان اس سن کو پہنچ جائے، تو اُسے یقین کرلینا چاہیے، کہ وہ قبر کے کنارے ہے، ۸۰ کی عمر اور اسکے بعد جو دن بھی ملجائے وہ غنیمت ہے، اور اگر ۹۰ تک شامل ہوجائین، تو اُسے ہمہ تن اپنی اصلاح اور طیاریِ آخرت مین مصروف ہونا چاہیے، استغفار، ذکر، محاسبہ نفس، بذلِ علم، مخالطۂ خلق کو اپنا وتیرہ بنالینا چاہیے، اور پوری کوشش کرے، کہ رخصت ہونے سے پہلے ہی دنیا مین اپنی کوئی نہ کوئی یادگار چھوڑ جائے، مثلاً تلامذہ، تالیفات، اور صدقات، اللہ جسکو چاہتا ہے، علم سے مالامال کردیتا ہے، اور اس کے دل مین نیکی ڈالدیتا ہے، ہم داعی ہین، کہ وہ ہمین اپنا کرے، اور ہم سے اعراض نکرے، انہ قریبٌ مجیب،

صوفیہ کے عیوب　صوفیون اور زاہدون کے احوال پر مین نے جو غور کیا، تو اکثر کو شریعت کے جادہ سے منحرف پایا، جسکا باعث شریعت کی جہالت اور اپنی رائے سے بدعت تراشنا ہے، وہ جن آیتون سے دلیل پکڑتے ہین، ان کی معنے تک نہیں سمجھتے، اور جن حدیثوں سے سند لاتے ہین، ان کے اسباب نہین جانتے، پھر ان مین سے اکثر تو موضوع ہوتی ہین، ازانجملہ ایک یہ ہے، کہ اللہ فرماتا ہے، وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور، اور انما الحیاۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ، پھر حدیث مین ہے، کہ دنیا اللہ کے نزدیک ہیچ ہے، جسطرح بکری کی لاش، اُس کے مالکون کے نزدیک، سو صوفیہ نے اسی بنا پر دنیا سے انتہائی کنارہ کشی اختیار کی، حالانکہ اس کی حقیقت نہین سمجھے، اور جو شخص کسی شے کی تہ تک نہ پہنچا ہو، اُسے اس کی تعریف یا برائی نہیں کرنی چاہیے،

جب ہم غور سے دنیا کو دیکھتے ہین، تو ہمین یہ زمین نظر آتی ہے، جو خلقت کا مستقر ہے، اسی سے اسکو روزی ملتی ہے، اور اسی مین اُسکے مردے دفن ہوتے ہین، اور ایسی چیز بلحاظ فائدہ رسانی کسیطرح مذمت کے قابل نہین ہوسکتی، پھر زمین پر پانی، کھیتی، اور حیوانات وغیرہ ہین، جو سب انسان کے کام کی چیزین ہین، انہین سے انسان کی ہستی ہے، جو اللہ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے، اور اطاعت وخدمت بجالاسکتا ہے، اور جو چیز کسی باخدا اور عبادت گذار کے بقار کا باعث ہو، وہ مدح کی مستحق ہے، نہ کہ مذمت کی، سو اس سے صاف معلوم ہوا کہ دنیا میں مذمت فی الحقیقت جاہل یا نافرمان کے اعمال کی ہونی چاہیے، کہ اگر اسکے پاس مال حلال کافی مقدار مین جمع ہو، اور اُس کی زکوۃ بھی ادا کرتا ہو، تو کسیطرح وہ قابلِ ملامت نہین ہوسکتا، حضرت زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے اپنے پیچھے جو گران قدر ترکہ چھوڑا اسکو سب جانتے ہی ہین، حضرت علی رضؓ کی زکوۃ چالیس ہزار درہم تک پہنچی تھی، ابن مسعود رضؓ نے اپنے پیچھے نوے ہزار چھوڑے، حضرت لیث بن سعدؒ کی سالانہ پیداوار بیس ہزار تھی، سفیان ثوری رحؒ تجارت کیا کرتے تھے، اور ابن مہدی رحؒ کی پیداوار دو ہزار دینار سالانہ تھی، اور اگر منکوحہ بیویاں اور کنیزین زیادہ رکھتا ہو، تو بھی مدح کے قابل ہے، نہ کہ مذمت کے، کہ حضور صلعم کی متعدد بیویاں اور کنیزین تھین، اور عام طور پر صحابہؓ کثرت سے بیویاں کرتے، حضرت علی رضؓ کے پاس چار بیویاں اور سترہ کنیزین تھیں، اُنکے صاحبزادہ امام حسنؓ نے تقریباً چارسو عورتون سے نکاح کیا، اگر نکاح کثرتِ اولاد کی نیت سے کیا جائے تو یہ انتہائی عبادت ہے، ورنہ اگر مقصد محض لذت اندوزی ہو، تو یہ بھی مباح ہے، پھر اس میں بھی عبادت کی بہت سی صورتین پائی جاتی ہین، مثلاً اپنے کو اور عورت کو باعصمت وعفت رکھنا وغیرہ وغیرہ، حضرت موسیٰؑ نے اپنی عمر گرانمایہ کے دس بہترین سال شعیبؑ کی صاحبزادی کے مہر مین خدمت کرتے ہوئے بسر کئے، سو اگر نکاح شرعاً افضل نہوتا، تو نبیون کی عمر اس مین ضائع نہ کی جاتی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین، اس اُمت کے بہترین لوگ وہی ہین، جن کے ہاں بہت سی بیویاں ہوں .... خوراک سے مقصد جسم کو طاقت پہنچانا ہے، کہ اپنے خدا کی خدمت کرسکے، سانڈنی والے کا فرض ہے، کہ اپنی سانڈنی کی ضروریات کا خیال رکھے، تا کہ وہ

اس کی سواری کے کام آئے، آنحضرت صلعم جو ملتا کھا لیا کرتے، اگر گوشت ملتا تو کھا لیتے، اور گاہے گاہے آپ مرغ کا گوشت بھی کھاتے، اور تمام اشیاء خوردنی مین آپ کو حلوا اور شہد بہت پسند تھے، آپ سے کہین یہ روایت نہین آئی، کہ آپ نے جائز کھانے سے انکار کیا ہو، حضرت علی رضہ کے پاس فالودہ لایا گیا، آپ نے کھایا، اور بولے، یہ کیا ہے، لوگون نے کہا نوروز کا دن ہے، تو آپ نے کہا ہمی ہمارے لئے تو ہر روز نوروز منایا کرو، ہان شکم سیری سے زیادہ کھانا اور پوشاک اکڑنے اور اترانے کے لئے پہننا البتہ معیوب ہے، بعض لوگوں نے جو اس سے کمتر پر قناعت کی تھی، تو اسکا سبب یہ تہا، کہ بالکل بے غل و غش حلال روزی اتنی مقدار مین نہیں ملتی، جو مقصد برآری کے لئے کافی ہو، ورنہ یون تو آنحضرت صلعم نے ایک جوڑا پہنا تھا، جو آپ کے لئے ستائیس اونٹوں کے عوض خریدا گیا تھا، تمیم داری رضہ کے پاس ایک ہزار درہم کی قیمت کا ایک جوڑا تھا، جسمین رات کو نماز پڑھا کرتے تھے، اب ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنہون نے زہد ظاہر کرنا شروع کیا، اور محض خواہش نفسانی سے ایک نیا طریقہ نکالا، پھر اسکے اثبات کے لئے دلیلون کی تلاش ہوئی، مگر انسان کو چاہئے، کہ ابتداءً دلیل کی پیروی کرے نہ یہ کہ پہلے ایک طریقہ کی پیروی کرلے، اور پھر اسکے لئے دلیل تراشے، پھر ان زاہدون کی چند قسمین ہوگئین، بعض تو ظاہر مین تصنع سے کام لیتے ہیں، اور باطن مین شیر ژیان ہین، خلوت مین خواہشات کے پیچھے دیوانہ وار چمٹے ہوئے ہین، مگر پوشاک سے خلقت کو اپنے تارکِ دنیا ہونیکا دہوکہ دیتے ہین، حالانکہ تارکِ دنیا وہ خود نہین ہین، بلکہ ان کی پوشاک ہے، اور جب ان کی اندرونی حالت دیکھی جائے، تو فرعون کی طرح ان کا نفس مغرور ہوتا ہے، بعض نیک دل ہیں، مگر شریعت سے مطلق بے خبر ہین، اور بعض صدر نشین ہوکر تصنیف کرتے ہین، اور جہلا اس طریق مین ان کے پیچھے ہولیتے ہین، وہ ٹھیک ان اندھوں کی طرح ہیں، جو کسی اندھے کے پیچھے ہولئے ہون، اگر وہ آنحضرت صلعم اور صحابہ رضہ کی روش کی پیروی کرتے، تو کبھی راہ سے نہ بھٹکتے، پہلے محققین کا قاعدہ تھا، کہ جب کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بھی راہِ شریعت سے روگردانی کرتا، تو وہ ہرگز اسکی پیروی نہ کرتے، اور برملا انکار کردیتے، امام احمد سے منقول ہے، کہ مروزی نے

ان سے نکاح کی بابت سوال کیا، تو وہ بولے کہ سنت ہے، کہا مگر ابراہیم[1] نے تو یون کہا ہے، اسپر امام جھنجلا کر بولے، تم تو ہمیں پگڈنڈیون پر لیجانا چاہتے ہو، امام احمد سے کسی نے کہا کہ سری سقطی کہتے ہیں کہ جب خدا نے حروف پیدا کئے، تو الف تعظیماً کھڑا ہوگیا، اور با سر بسجود ہوئی، آپ بولے، لوگون کو ان سے دور رکھو، یہ سمجھ لو، کہ حق کسی کے لمبے چوڑے نام سے خوف زدہ نہیں ہوجاتا، کسی نے حضرت علی رضہ سے کہا، کیا آپ یہ سمجھتے ہین کہ ہم طلحہ رضہ و زبیر رضہ کو باطل پر جانتے ہون گے؟ تو آپ نے کہا کہ حق انسانون سے نہیں پہچانا جاتا، پہلے تم حق کو پہچان لو، پھر حق والوں کو بھی خود بخود جان لوگے، بیشک لوگون کی فطرت مین بعض نفوس کی توقیر جاگزین ہوتی ہے، پس جب کبھی ان کی زبانی کوئی بات بیان کی جاتی ہے، اور پھر شریعت سے ناآشنا آدمی وہ سُن پاتا ہے، تو اسکو مان لیتا ہے، کہ ان کی عظمت اس کے دل مین بیٹھی ہوتی ہے، بایزید بسطامی رح سے منقول ہے کہ مین نے اپنے نفس کی مخالفت کی اور قسم کھالی کہ سال بھر پانی نہ پیون گا، سو اگر یہ نقل صحیح ہے تو لامحالہ یہ ایک سخت غلطی اور فاحش لغزش ہے، اسلئے کہ پانی غذاؤں کو بدن مین پیوست کرتا ہے، اور کوئی دوسری چیز اسکے قائم مقام نہین ہوسکتی، پانی چھوڑنے کے معنے اپنے جسم کو آزار پہنچانے کے ہین، آنحضرت صلعم[2] کے لئے شیرین پانی تلاش کرکے مہیا کیا جاتا تھا، کیا اب تم یہ کہہ سکتے[3] ہو کہ یہ کام اُس شخص کا ہے جو اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہ جانتا ہو، اور کہ بلا اجازت مالک اسمین تصرف کرنا روا نہ رکھتا ہو، ایک اور صوفی سے منقول ہے، کہ اس نے کہا، مین توراہ توکل پر گام زن ہوکر پیادہ پا مکہ مکرمہ کی راہ پر ہولیا، جب کبھی کوئی کانٹا چبھتا، تو مین زمین پر پاؤن رگڑ دیتا، مگر اسکو زمین پر سے اُٹھاتا نہین، اور مین ٹاٹ اوڑھے ہوئے تھا، تو جب آنکھ دکھتی، مین اسکو ٹاٹ سے رگڑ دیتا،

---

[1] مراد ابراہیم بن ادہم اور ان کا اور سری کا قول صفحہ ۳۹۲ میں بھی مذکور ہے،

[2] صفحہ ۳۹۲ پر لکھتے ہیں کہ داؤد طائی نے سفیان ثوری سے کہا کہ جب تم ٹھنڈے پانی کے خواہان ہو تو موت کو کیسے چاہوگے (سفیان کا پانی ٹھنڈا مین تھا) مگر یہ داؤد کی غلطی ہے، اسلئے کہ نفس بھی عافیت پسند ہے، اور گرم پانی معدہ کو نقصان پہنچاتا ہے،

[3] یعنے کہ با این ہمہ صوفیہ کو یہ دعویٰ ہے، کہ انسان کا اپنا نفس ملوک مولیٰ ہے، انسان کو کوئی حق نہین، کہ بلا اجازت مالک اپنے نفس مین کسی طرح تصرف کریگا

تا آنکہ ایک آنکھ بالکل جاتی رہی" اس قسم کی اور بھی بہت سی باتین ہیں، واعظ لوگ اسکو کرامت پر محمول کرتے رہن، اور عوام کے سامنے یہ بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہین جس سے وہ یہ خیال کرنے لگتے ہین کہ ایسا کرنے والا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے بھی بڑے پایہ کا ہے، مگر حقیقت مین یہ بڑا گناہ اور سخت عیب ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے، "تم اپنی جانون کو اپنے ہاتھون برباد نکرو" اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے، "تمہارے نفس کا تمہارے اوپر حق ہے" حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے راستہ مین آنحضرتؐ کے لئے سایہ ڈہونڈا، ایک چٹان دکھائی دی جسکے سایہ مین آپکے لئے کپڑا بچھا دیا، امت اسلامیہ کے بعض پچھلے بزرگون سے اسی قسم کی کوتاہیان منقول ہین، جسکے باعث صرف دو ہین، جہالت، عادت، رہبانیت، حسن بصریؒ ہمیشہ فرقد سنجی اور مالک بن دینار کے زہد کی مذمت کیا کرتے، ایک روز جبکہ انکے دسترخوان پر گوشت پڑا تھا، بولے، کہ "مالک کی دو روٹیان اور فرقد کی دو ر کا بیان نہین"[1] کبھی انھون نے فرقد کو کمبل پہنے دیکھا تو بولے اے فرقد جہنم مین زیادہ تر کمل پوش ہی لوگ ہون گے، واعظین عموما ان زاہدون کی سیاحت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہین، جو بغیر خوراک اور پانی کے نکل کھڑے ہوئے ہون، حالانکہ یہ بات نہایت قبیح ہے، کہ یہ اللہ کی رزاقی کا امتحان لینا ہے، اور بسا ممکن ہے کہ کوئی جاہل یہ بات سنکر سیاحت کو اٹھ کھڑا ہو، اور راہ مین بھوکا پیاسا مر جائے، اور ان واعظ صاحب کی گردن پر اس کا خون پڑے، وہ بیان کرتے ہین کہ ذوالنون اپنی سیاحت مین ایک عورت سے ملے، آپس مین باتین ہوئین، مگر یہ روایتین سناتے ہوئے شاید وہ ان صحیح حدیثون کو بھول جاتے ہین، جن مین ہے کہ کسی عورت کے لئے یہ حلال نہین ہے کہ وہ ایک رات دن کی مسافت بغیر کسی محرم کے طے کرے، کبھی یہ بھی سناتے ہیں کہ چند لوگ پانی پر چلے، مگر ابراہیم حربی تو فرماتے ہین کہ ہرگز یہ صحیح نہیں کہ کبھی کوئی پانی پر چلا ہو، اگر یہ بات انھین سنائی جائے تو کہین گے کہ تم تو اولیاء اللہ کی کرامتون کے منکر ہو، نہین ہم منکر نہین ہین، البتہ صحیح باتون کے پیرو کار ضرور ہین، اور شریعت کی اتباع کے مخاطب اول اولیاء اللہ ہی تو ہین، انہین اپنی رائے پر نہین چلنا چاہئے، حدیث مین ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنی جانوں پر سختیان شروع کین تو اللہ نے بھی

[1] یعنے کہ ان دونون کی طرح ہین، اچھے کھانے کو لات نہیں مارتا،

ان پر سختیان ہی کی ہین، ہمارے واعظین لوگوں کو فقر کی ترغیب دیتے ہین، جس سے بہت سے زردار مفلس ہوگئے اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو یا اللہ سے بگڑ بیٹھتے ہین، یا کاسۂ گدائی لیکر دربدر پھرا کئے، ان کے وعظ فقر نے کتنے ہی مسلمانون کو سخت نقصان پہنچایا، آنحضرتؐ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے ہے، دوسری تہائی پانی کے لئے، اور تیسری سانس کے لئے انھون نے اسپر بھی بس نہ کی، جو اور مبالغہ کرنے لگے، ابو طالب مکی قوت القلوب میں راوی ہین، کہ بعضون کا کھانا تو کھجور کی ترٹہنی ہی تھی، ہر رات اس کی ذرا سی رطوبت کم ہوتی، مین بھی بچپن مین انہین کی اقتدا کرنے لگا تھا جس سے آنت تنگ آگئی، اور کئی سال کے لئے بیمار پڑ گیا، کیا تمہارے خیال مین یہ کوئی عقل کی بات ہے، یا شرع کی، انسان کی سواری اس کے قوی ہیں، اگر ان نے قصداً ان کو کمزور کر دیا، تو الٹا عبادت سے رہجائے گا، ہم اگر ملک روم میں جائین، تو وہین تمام سکے وہی لین گے، جو کبھی شراب کی قیمت اور بدکاری کی خرچی رہے ہون گے، مگر وہ بحکم مال غنیمت ہمارے لئے حلال ہون گے، اگر حلال کے یہ معنے[1] لئے جائین کہ سونے کا دانہ جیسے کان سے نکلا ہے، کبھی کسی ناجائز مصرف مین خرچ نہ ہوا ہو، سو آنحضرتؐ نے تو کبھی ایسا نہین سمجھا، تمنے یہ تو سنا ہی ہوگا، کہ آپ کے لئے زکوٰۃ حرام تھی، مگر جب بریرہ (آپ کی لونڈی) کو کسی نے کچھ گوشت بھیجا، جو بریرہ نے پھر آپ کو بطور تحفہ پیش کیا، تو آپکے لئے اسکا کھانا جائز ہو گیا، کہ اب حالت بدل گئی، امام احمد فرماتے ہین مین کم کھانا پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ بہت سے لوگ کھانا کم کرکے فرائض سے عاجز آگئے، یہ بات بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ کم کرنیوالا کم کرتے کرتے پہلے نوافل سے اور پھر فرائض سے عاجز آجاتا ہے، پھر بیوی کی ہم خوابی سے جو اسکو باعفت رکھنے کا ذریعہ تھی، ان کے لئے روزی کمانے سے اور اور بیسیون نیک کام سے جنکو وہ کیا کرتا تھا، کہین وہ حدیثین سنکر جنمین گرسنگی کی ترغیب دی ہے گھبرا نہ جانا، کہ بھوک سے وہان مراد یا روزہ ہے، یا انتہائی شکم سیری کی مذمت، مگر ہمیشہ کم کھانیکو اپنا وتیرہ بنا لینا، جو قوی کو کمزور بنائے بغیر نہیں

[1] ص ۳۹۳ مین کسی زاہد سے راوی ہین کہ مین چاہتا ہون کہ گاجر شیرے مین ڈبو کر کھاؤن، مگر مجھے کوئی ادنی سے ادنی چیز بھی حلال نظر نہ آئی، مراد یہ ہو کہ سکہ جب سے وہ کان سے نکلا ہے کبھی مد حرام مین خرچ نہ ہوا ہو، مگر آنحضرتؐ نے تو کبھی ایسے شبہے نہین نکالے، گو اتقا نیک چیز ہے، مگر سخت تکالیف اٹھانا اچھا نہین

ہوسکتا، تو یہ کسی طرح جائز نہین، ان لوگوں مین بعض گوشت خوری ترک کر دیتے ہین حالانکہ آنحضرت صلعم تو روزانہ
گوشت کھانا پسند کرتے تھے، لو اب مین صاف صاف کہے دیتا ہون کہ تم میرے پاس اقوال جہال کو دلیل مین
نہ لانا، کہ بشر حافی نے یون کہا ہے، اور ابراہیم بن ادہم بھی یہی کہتے ہین، اسلئے کہ جو شخص آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کو
دلیل لاتا ہے، اس کی دلیل بہت مضبوط ہے، پھر حسن ظن کی بنا پر ان بزرگون کے اقوال کی تاویل کی جاسکتی ہے،
ایک مرتبہ مین نے اپنے ایک استاذ سے اس بات کا تذکرہ کیا، یعنے کہ چند صوفیون سے جو یہ منقول ہے، کہ انھون
نے اپنی کتابین دفن کر دینے کی وصیت کی تھی، مین نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ استاذ بولے، بہترین بات
یہ ہوسکتی ہے، کہ ہم خاموش ہو بیٹھین، ان کی مراد یہ تھی کہ یہ بات ایسا کرنے والے کی جہالت ہے، اگر مین نے
تاویل کر کے کہا کہ شاید ان کتابون مین آراے، جہال منقول ہون، جنپر لوگون سے عمل کرانا ان کا مقصد نہ ہو، ایک
حدیث مین ہمنے احمد ابن الجواری سے روایت کی ہے، کہ انھون نے اپنی ساری کتابین اُٹھا کر سمندر مین غرق کر دین
اور بولے کہ اچھی دلیلین تھین، مگر اب ہمین جبکہ ہم مدلول تک پہنچ چکے، دلیلون کی کوئی ضرورت نہین رہی، ان
حضرت سے اگر ہم حسن ظن رکھین، تو یہ کہہ سکتے ہین کہ ان کتابون مین لوگون کے وہ اقوال ہون گے، جو موصوف
کے خیال مین پسندیدہ نہ تھے، ورنہ اگر صحیح علوم ہون تو یہ بدترین بربادی ہے، بے شک یہ تاویل علمار کے

---

[۱] مولف نے صفحہ ۱۸۱ پر بھی اس کا ذکر کیا ہے، کہتے ہین بعضون نے علمی کتابین دفن کر دین، اور نماز روزے کے ہو بیٹھے، مگر یہ نہ سوچا کہ
ان کو دفن کرنا بڑی غلطی ہے، اس لئے کہ نفس عموماً غفلت کرتا ہے، تو انہی علمی کتابون کی بدولت وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کی جاتی ہے، سچ یہ ہے کہ
ابلیس نے ہر گروہ کو ایک خاص داؤں سے فریب دیا ہے، ان کا مقصد کتابین دفن کرنے سے چراغ ہدایت کو گل کرنا تھا، تاکہ سالک تاریکی مین
چلے، ایک شخص نے کسی عالم سے پوچھا کہ کیا مین کوہستان لکام کی طرف جاؤن، (لکام در تخ شام مین بزعم عوام ابدال واوتاد عبادت الہی مین مصروف
ہین) تو انھون نے بہت خوب کہا، کہ یہ تو سراسر کاہلی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے، کہ زاہد لوگ خفاش کی طرح روپوش ہین، لوگون سے کنارہ کشی کر کے اپنے
کونۂ دور گزرنے ہوئے ہین، یہ بات اچھی تھی، بشرطیکہ انسان کو بہت سی نیک باتون سے نہ روکتی، مثلاً نماز با جماعت، جنازہ کی مشایعت بیمار پرسی وغیرہ،
پھر یہ پست ہمتون کی حالت ہے، دلیر تو وہ لوگ ہیں، جو بڑھتے بڑھاتے ہین، جو انبیاکا درجہ ہے، الخ

کے حق مین صحیح ہے، اس لئے کہ سفیان ثوری کے متعلق مروی ہے کہ انھون نے اپنی کتابین دفن کرنے کی وصیت
کی تھی، کیونکہ انہون نے حدیثین جمع کرنیکے شوق مین ہر رطب و یابس کی حدیثین قلمبند کر لی تھین اور ان مین تمیز کرنا سخت
دشوار تھا، اس لئے تمام کو دفن کرنے کو کہا، اسطرح اگر انسان اپنی مرجوع عنہ رایون کو دفن کرائے، تو یہ تاویل علمار
کے حق میں تو قابلِ قبول ہے، مگر یہ نرے صوفی جنھون نے علمار کو ایسا کرتے دیکھا تو ان کی دیکھا دیکھی مفید کتابون کو
دفن کر دیا تاکہ وہ ان کی عبادت مین حارج نہ ہون، سو یہ سراسر ان کی جہالت ہے، کہ وہ اسطرح ایک روشن
چراغ کو بجھانا چاہتے ہین، نیز ناجائز طور پر مال حلال کو غارت کرتے ہین، یوسف بن اسباط راوی بھی کتابین دفن
کرنے والون مین ہین، جو پھر حدیثین سنائے بغیر نہ رہ سکے، ان مین گڑبڑ کرنے لگے جس سے وہ ضعفار مین شمار ہوئے
ہم سے عبدالوہاب بن المبارک نے اپنی سند سے بیان کیا، کہ شعیب بن حرب کہتے ہین کہ مین نے یوسف سے
کہا، تم نے اپنی کتابین کیا کین، بولے کہ مین الجزیرہ (دوآبہ دجلہ و فرات) پہنچا جب پانی خشک ہوگیا، تو ساری
کتابین دفن کر دین، حتی کہ جب پھر پانی آیا، تو وہ سب غارت ہوگئین، مین نے کہا تم نے ایسا کیون کیا؟ کہا مین نے
چاہا کہ مجھے ایک ہی فکر رہجائے، عقیلی آدم سے راوی ہین کہ امام بخاری صدقہ کی زبانی نقل کرتے ہین کہ یوسف
بن اسباط نے اپنی کتابین تو دفن کر دین مگر پھر جب کبھی حدیثین سنانے کا موقع ہوا، تو اُن سے کچھ نہ کچھ خلل ضرور
ظاہر ہوا، مولف کہتا ہے، بظاہر یہ مفید علمی کتابین ہون گی، مگر کم علمی کا بُرا ہو جس نے ایسا کچھ کرایا، جس سے اُن کا
مقصد نیک تھا، لیکن در حقیقت بُرا نکلا، اگر ان کی کتابین بھی سفیان ثوری کی کتابون کی طرح تھین، جنہین ضعیف
راویون سے حدیثین مروی تھین، اور تمیز کرنا آسان نہ تھا، تو چندان مضائقہ نہ تھا، مگر فکر کو ایک کرنے کا سبب جو
یوسف نے بیان کیا، اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ ایسی نہ تھین، سو اس جہالت کا ستیاناس جس نے نیکون پر بھی اپنا اثر
ڈالا ہمین ایک محترم ہستی کے متعلق جن کی ہمارے دل مین بہت وقعت ہے، اور جن سے بارہا ہم ملنے جایا کرتے تھے
معلوم ہوا کہ وہ ایک مرتبہ لب دریاے دجلہ پر تھے، جہان اُنھون نے استنجا کر کے تیمم کیا، کسی نے کہا، پانی تو پاس موجود
ہے، بولے، مجھے اندیشہ ہے، کہ کہین وہان تک نہ پہنچ سکون، یہ بات گو دنیا کی بے ثباتی کی دلیل ہے، لیکن اگر فقہا

اسکو سن پائین، تو ضرور سے اڑین، اس لئے کہ تیمم اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے، جبکہ پانی معدوم ہو، مگر جب موجود ہو، تو تیمم کے لئے ہاتھوں کو حرکت دینا بڑی بیہودگی ہے، پانی کی موجودگی کے یہ معنے نہین کہ وہ بولنے والے کے پاس ہی ہو، بلکہ اگر چند گز دن کے فاصلہ پر ہو تو بھی اسکو موجود ہی کہا جائے گا، اور تیمم کا کوئی موقع نہ ہوگا، ان حرکات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ ایک فقیہ گو اُسکے ماننے والے کم ہون، اور پس مرگ اُس کے نام لینے والے نہ ہون پھر بھی ان ہزارون ہستیون پر بھاری ہے، جنکو عوام تبرکاً چوتے ہین، اور پس مرگ عوام کے دل کے دل اسکے جنازہ کے ساتھ ہوتے ہین، اصل مین صرف وہ محدث ہے، جس کی ہم اتباع کر سکین، اور وہ فقیہ جو شارع عم کا مقصد سمجھکر فتویٰ دیتا ہو، ایسی جہالت اور گذشتگان کی بلا دلیل تقلید سے تو اللہ کی پناہ، کہ جو پہلے گھاٹ کا پانی پی لے گا، وہ اور گھاٹون کو گدلا ہی پائے گا، سب سے بڑی بلا عوام کی تعریفین ہین، جن سے بہت سے نفوس بہک گئے، حضرت علی رض فرماتے ہین، احمقون کے پیچھے جوتیان چٹخائے جانے سے وہ اور بھی عقل کھو بیٹھے ہین، (یعنی کہ وہ اپنے کو سمجھنے لگتے ہین) ہمنے خود دیکھا سنا ہی، کہ عوام تعریف کرتے ہوئے کہتے ہین فلان تو رات بھر نہین سوتا، اور دن بھر افطار نہین کرتا، نہ اُسے بیوی کی خبر ہے، اور نہ دنیا کی کسی خواہش کو جانتا ہے، اُسکا جسم لاغر ہوگیا، اور اسکی ہڈیان چور ہوگئین، حتی کہ وہ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتا ہے، سو وہ اُن علماء سے بہتر ہے جو کھاتے اُڑاتے ہین، اللہ اللہ! یہ اُن کا علم ہے! حالانکہ اگر ساری دنیا صرف ایک لقمہ بنجائے، جسکو عالم کھائے، جو امر بالمعروف کرتا ہو، اور لوگون کو شریعت سکھاتا ہو تو اُسکا ایک ارشاد عابد کی ساری عمر کی عبادت سے بہتر ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رض کا قول ہی، کہ ایک فقیہ شیطان پر سو عابدون سے بھی بھاری ہے، میرا یہ بیان سُنکر کہین یہ نہ سمجھ لینا کہ مین بے عمل علماء کی تعریف کرتا ہون، نہین مین تو صرف باعمل علماء کو سراہتا ہون، جو اپنی جسمانی ضرورتون کو بہتر جانتے ہین، ان مین بعض سادہ زندگی پر قانع تھے، جیسے امام احمد وغیرہ، اور بعض پر لطف زندگی گذارتے تھے، جیسے سفیان ثوری، با این ہمہ پرہیزگاری، مالک با این ہمہ دینداری، اور شافعی با این ہمہ فقہ دانی، کبھی کسی سے ایسی چیز کا مطالبہ نکرنا چاہیئے، جو صرف دوسرے

کے لئے آسان ہو، ورنہ پھر وہ بیکار ہوجائے گا، کہ ہر انسان اپنی ذاتی ضرورتون کو بہتر ہی جانتا ہے، رابعہ فرماتی ہین کہ اگر تمہارا دل فالودہ پی کر ہی ٹھیک رہتا ہے، تو پیو، اے میری باتین سننے والے! کہین بیرونی زہد دیکھکر ریجھ نہ جانا، اسلئے کہ سارے خوش خورون کا مقصد صرف خوش خوری نہین ہے اور نہ ہر جسم سادہ زندگی کی تکالیف برداشت کرنے کے قابل، خصوصاً وہ انسان جو جفا دیدہ ہو، اور رنج و غم جھیلین برداشت کر چکا ہو، یا پہلے فقر کی منزلین طے کر چکا ہو، کہ اگر وہ اپنے جسم پر رحم نہ کرے گا، تو بہت سے واجبات سے دست کش ہوجائے گا، یہ ایک مجمل بیان ہی، اگر مین آثار و اقوال سے اس کی تشریح کرنے جاؤن، تو بہت طویل ہوجائے گا، اس لئے مین اس کو جون ہی کہ یہ میرے دل مین گذرا فی الفور قلمبند کئے دیتا ہون، اللہ اس سے فائدہ پہنچائے،

تصوف کے محاسن

جب مین نے دیکھا کہ علم کے متعلق میری رائے اچھی ہے، مین اُس کو تمام مشاغل پر ترجیح دیتا ہون، اور اسمین مشغول ہونے کو نوافل سے بہتر جانتا ہون، اور کہتا کہ اسکے نوافل سے برتر ہونے کی بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مین نے بہت سے لوگون کو جو نوافل عبادت مین منہمک ہوکر نوافل علم سے محروم رہے ہین، دیکھا ہے کہ وہ اصول دین پر اعتراض کرتے لگتے ہین، مین نے اپنے تئین اس خیال مین تو راہ راست پر پایا، البتہ ہمہ تن علمی مشاغل کا ہو رہا تھا، اس لئے چلا اٹھا کہ علم کا فائدہ کیا ہوا؟ خوف الٰہی کہان ہے؟ وہ اضطراب و قلق کیا ہوا، کیا تو نے اس امت کے بزرگون کی عبادت و طاعت کے واقعات نہین سُنے؟ کیا آنحضرت صلعم ہم سبھون کے سردار نہ تھے، پھر آپ اسقدر کیون نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤن ورم ہوگیا، کیا حضرت ابوبکر رض درمند دل نہ رکھتے، اور زار زار رویا نہ کرتے؟ کیا حضرت عمر رض کے رخسار مین آنسوؤن سے دو خط نہ پڑ گئے تھے؟ کیا حضرت عثمان رض ایک رکعت ہی مین پورا قرآن ختم نہ کر دیا کرتے کیا حضرت علی رض رات کو اپنی محراب مین رو رو کر ڈاڑھی کو تر نہ کر دیا کرتے، اور کہتے، کہ اے دنیا تو اوردن پر اپنا جال بچھا، کیا حسن بصری سخت بےچین نہ رہا کرتے، کیا سعید بن المسیب نماز با جماعت کی چالیس سال

تک برابر پابندی نہ کرتے رہے، کیا اسود بن یزید نے اسقدر روزے نہ رکھے کہ وہ سبز اور زرد ہوگئے،
کیا ربیع بن خیثم کی بیٹی نے اُن سے نہ کہا کہ یہ کیا بات ہے، جو مین اورون کو سوتے دیکھتی ہون، مگر آپ نہین
سوتے، تو اسپر ربیع بولے، کہ تمہارے ابا کو شب خون کا اندیشہ ہے، کیا ابومسلم خولانی مسجد مین کوڑا نہ لٹکا
کہ جب نفس کسل مندی محسوس کرے، تو اس سے اس کی تنبیہ کی جائے، کیا یزید رقاشی نے چالیس سال
مسلسل روزے نہ رکھے، پھر بھی یون کہتے، ہائے عبادت گذار لوگ تو مجھسے کہین آگے نکل گئے، اور مین
راہ مین ہی درماندہ ہوگیا، کیا منصور بن معتمر نے چالیس سال روزے نہ رکھے، کیا سفیان ثوری خون
الٰہی سے خون کے آنسو نہ بہاتے، کیا ابراہیم بن ادہم فرط خوف سے خون کا پیشاب نہ کرتے، کیا تم اس
امت کے ان چار برگزیدہ اماموں ابو حنیفہ، مالک، شافعی، امام حنبل اور احمد کے زہد و تقوی کو نہین جانتے، ؟
ہائے کہین ظاہری علم پر قانع ہو کر نہ رہجانا، جس سے عمل فوت ہوجائے، اور تم کاہل اور اپاہج ہی رہجاؤ
اس سے پہلے کہ تیری صحت و جوانی جاتی رہے تو اپنے نفس کی اصلاح کرلے اور اس دن سے
ڈر جس سے سنبھلنے کی تجھے مہلت نہ دیجائے گی، اور غور کر کہ تو میدانِ محشر مین کس جماعت
کے ساتھ ہوگا،

اس فصل مین علمار و زہاد دونون کے لئے نصیحت ہے، اے لوگو! یہ تو تم جانتے ہی ہو، کہ اعمال | مین مین
کا مدار نیت پر ہی ہے، اور اس فرمان ایزدی کو سمجھتے ہی ہو کہ الا للّٰہ الدین الخالص (خالص عبادت اللہ
ہی کے لئے ہے)،

سلف صالحین کسی قول و عمل کی طرف اُسوقت تک پیش قدمی نہ کرتے، جب تک نیت درست
نہ ہوجائے، سوائے فقہائے زمانہ! کیا تمہاری ساری عمر جھگڑتے اور چلاّتے ہی گذر جائے گی ؟ اور
کیا عوام کے جھتھون کو دیکھکر تم اسی طرح اپنا غلبہ دکھلانے کے لئے ہنگامہ مچاتے رہوگے ؟ کیا تم نے
یہ حدیث نہین سُنی کہ جو اس مقصد سے علم سیکھے گا، کہ علماء کے سامنے اکڑے، یا جہلار سے جھگڑے، یا اُس

کی وجہ سے لوگون کے منہ اپنی طرف پھیرے تو وہ ہرگز جنت کی ہوا نہ پائے گا، پھر تم بہت جلد فتوے
بازی شروع کردیتے ہو، گو اس کے اہل نہ ہو، حالانکہ سلف صالحین فتوی دینے سے جان چرایا کرتے تھے،
اے گروہ زہاد! اللہ تمام رازون کو جانتا ہے، بلکہ اس سے پوشیدہ تر باتون کو بھی، پھر کیون تم اپنا
لباس نقراء کا سا بناتے ہو، اور یون خواہشات نفسانی کی تکمیل کے درپے ہو، تم خشوع و گریہ صرف
جلوت مین دکھاتے ہو، نہ کہ خلوت مین، ابن سیرین لوگون کے سامنے ہنستے اور قہقہہ لگاتے، مگر خلوت مین
رات کا بیشتر حصہ روتے ہوئے گذار دیتے، سفیان نے اپنے ایک رفیق سے کہا، تو بڑا بیحیا ہے، جو لوگون کے
دیکھتے نماز ادا کرتا ہے،

مین تو جنگل کی نیل گاؤن پر قربان جاؤن، جو نہ بالین چبانا جانتی ہین، اور نہ بھوین رنگنا[1]،
ہائے ریاکار کا اُسدن کیا حشر ہوگا، جسدن دل کی نیتین نکالکر سامنے رکھدی جائین گی، اس لئے
اب تو اپنی بدمستی سے ہوش مین آؤ، اپنی غلطیون سے باز آؤ، اور راہ راست پر مستقیم ہوجاؤ، کہین کوئی قیامت
کو یہ نہ کہے، کہ ہائے حسرت! مین نے حقوق الٰہی کے ادا کرنے مین بہت کمی کی،

[1] متنبی کا ایک بیت ہے جس مین حسن فطری کی بمقابلہ حسن مصنوعی کی تعریف کی گئی ہے،

ڈاکٹر اقبال کی اردو

از مولوی محمد محمود زمان خان صاحب ، رامپور

جولائی ۱۹۲۶ء کے مرقع لکھنؤ مین ، لکھنؤ کے ایک حکیم صاحب نے جو متعدد رسالون کے مصنف ہین ، ڈاکٹر اقبال کی اردو زبان اور محاورات پر بہت سے اعتراضات کئے ہین ، اس سے کسی کو انکار نہین ، کہ اقبال کی اردو زبان وہ زبان نہین جس پر سخنوران لکھنؤ کو ناز ہے ، اُن کی شاعری ، ضلع جگت ، روزمرہ ، اور خاص خاص محاورات مین پابندی سے آزاد ہے ، اور یہ کوئی چھپا راز نہین ، یہ چیز ہمیشہ سے سب کو معلوم ہے ، اور سب اسکو جانتے ہین ، اسکے لئے کسی نئی تحقیق ، جدید کاوش اور تازہ کشف حقیقت کی ضرورت نہین ، پابند وضع ، اور اہل تقلید قدیم جماعت ہمیشہ ان کی زبان پر ناک بھون چڑھاتی رہی ہے ،

لیکن یہ دیکھکر افسوس ہوا کہ اس غصہ وغضب اور طیش کی حالت مین مضمون نگار کو صحیح و غلط اور صواب و خطا کی تمیز بھی نہ رہی ، اور متعدد غلطیون کے ارتکاب سے خواص کی نظر مین خود اپنے کو مضحکہ انگیز بنا لیا ،

مضمون نگار کے شطحیات کو چھوڑ کر ہم اصل اعتراضات کیطرف متوجہ ہوتے ہین ، ان تمام اعتراضات کا منشا صرف چند الفاظ کا الٹ پھیر ، اور ان کا بجا یا بیجا استعمال ہے ، اصل یہ ہے کہ شاعری کا مفہوم ، عام لوگون کے نزدیک صرف اسی قدر ہے ، کہ بندھے ہوئے الفاظ ، رٹے ہوئے محاورات ، اور مقرر شدہ روزمرہ مین چند فرسودہ اور باربار کے دہرائے ہوئے خیالات کو ردیف وقافیہ کی رعایت کے ساتھ ادا کر دینا ، ظاہر ہے ، کہ اگر شاعری کا یہ مفہوم ہے ، تو یقیناً ہندوستان کا شاعر ڈاکٹر اقبال شاعر نہین ، لیکن اگر شاعری کا مفہوم جذبات اور دلی احساسات کا موزون نغمون مین اسطرح ادا کرنا کہ اُس سے خود شاعر کی تڑپ ظاہر ہو ، اور ان مین سننے والون کو تڑپا دینے کی صلاحیت ہو تو بے شبہہ ڈاکٹر اقبال کا شمار اپنے وقت کے سب سے بڑے شعرا

مین ہے ،

شاعری کی دنیا مین لفظ و معنی کی جنگ بہت پرانی ہے ، اس جنگ کے معرکے ، عربی ، فارسی اور اردو سب مین قائم ہین ، اور قائم رہین گے ، جو شعرا صرف الفاظ کی صحت اور شان و شوکت کے قائل ہین اُن کو معنی کی طرف توجہ کرنے کی بہت کم فرصت ملی ہے ، ملک الشعرا خاقانی کی لفظی صناعیون مین کس کو کلام ہے ، اور کس نے اُن کی مشکل پسندی ، اور کوہ کندن وکاہ برآوردن کی محنت کی داد نہ دی ، لیکن کیا اُن کا ایک شعر بھی دلون کو متاثر ، جذبات کو برانگیختہ ، اور احساسات کو متلاطم کر سکا ، مولانا روم کا کلام شاعری کے مسلمہ قواعد کو اکثر توڑتا رہا ہے ، اور الفاظ مین دست برد ان کی شاعری کی خاص خصوصیت ہے تاہم صدیان گذرین ، اُن کا کلام دلون کو وجد اور روحون کو تسکین بخش رہا ہے ، دلائل الاعجاز عربی علم فصاحت و بلاغت کے بانی عبدالقاہر جرجانی انہین الفاظ کے پھیر مین ہین ، مگر عربی فن نقد شعر کا پہلا مدون ابن قدامہ الفاظ سے علحدہ معنی کی تفصیل پر اپنے اصول قائم کرتا ہے ،

ابھی ایک دو نسل پہلے اردو مین غالب اور ذوق کے درمیان یہی معرکہ برپا تھا ، غرض لفظ و معنی یا شاعری کی ظاہریت اور باطنیت کی یہ دو تقسیمین بہت پرانی ہین ، اور ڈاکٹر اقبال کی شاعری اس جنگ کی پہلی مثال نہین ہے ،

لفظی شاعری بندھے ہوئے خیالات ، محاورات اور روزمرون اور لفظی رسوم اور پابندیون کے ساتھ ہمارے شعرا اس لئے ادا کرتے ہین ، اور کر سکتے ہین ، کہ ان کو بزرگون کے متروکہ مستعمل الفاظ کے ساتھ خیالات اور مضامین بھی ترکہ مین ہاتھ آتے ہین ، اور انہین کو الٹ پلٹ کر وہ دہراتے ہین اس لئے نئے الفاظ و محاورات کی ان کو ضرورت نہین ہوتی ، لیکن ایسے شاعر کے لئے جنکو اقوام کے عروج و زوال ، زمانہ کے فلسفۂ تحول و انقلاب نفسیات اجتماع کے رموز و اسرار ، مردہ دلون کے قومی و مذہبی جذبات اور سینکڑون ایسے جدید مضامین و خیالات کو جو اب تک اردو مین ادا نہین ہوئے تھے ، ادا کرنے پڑے ، صرف بزرگون کے موروثی متروکہ الفاظ و محاورات

مین اسکو محدود رہنے پر مجبور کرنا حد درجہ ظلم اور بے انصافی ہے،

با این ہمہ جس قسم کے اعتراضات کا "مُرقع" مضمون نگارِ مرقع نے پیش کیا ہے، وہ کچھ زیادہ دلکش اور دلفریب نہین ہے،

شروع مین ہمارے دوست "مردہ جذبات" اور "فرسودہ خیالات" کو اردو شاعری کا سنگِ بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہین کہ "فارسی شاعری کا ناکارہ اور مخربِ اخلاق حصہ اردو مین منتقل ہونے لگا......

اور ایک صدی سے زیادہ زمانہ تک ہماری زبان نے اس کے سوائے کہ چند محدود اور تنگ دائرون مین گردش کرتی رہی، اور اپنے سم آلود اثرات سے ہمارے عادات و اطوار کو بگاڑتی رہی، سوسائٹی کا کوئی مفید کام انجام نہین دیا،" دوسری جگہ طرزِ جدید کی شاعری مین پرانی شاعری کے برابر مزہ نہ ہونے کی بھی شکایت کرتے ہین، اور اجمالی طور پر بے عنوانیون کو اسکا محرک اصلی قرار دیتے ہین، کاش! حکیم صاحب اپنے مزہ کی تفصیل مین اسقدر تنگ نوائی سے کام نہ لیتے، اور اسکے بجائے بے عنوانیون کی تفصیلی مثالین دیکر ایسے واضح اور روشن طریقہ سے بیان کرتے جس سے ناظرین کے لئے کوئی صحیح نقشۂ عمل پیش نظر ہو جاتا،

دوسرے مقام پر جہان انگریزی سلطنت کی برکات سے تجدید و اصلاحِ شاعری کا ذکر فرمایا ہے، وہان قدیم شاعری پر طعن اور درستیِ اخلاق و اصلاحِ قوم وغیرہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا حالی کو موجد طرزِ جدید اور غالب کو پیش رو مصلحِ اعظم شعرا تحریر فرمایا ہے، لیکن کچھ ہی آگے چلکر حالی کی تردید و تنقیص پر کمرِ ہمت کو چست کر لیا ہے، فرماتے ہین کہ "انھون نے قدیم اور مقررہ اصولِ شاعری کو بھی نظر انداز کر دیا، اور اردو شاعری کو انگریزی تخیل کا لباس پہنایا ہے، اور قدیم تخیل کو بالکل ترک کر دیا ہے"، اس تعارضِ بیان کی تطبیق تو مشکل ہے، البتہ مولانا حالی کی نقطۂ نظر کو اس موقع پر بوضاحت عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہون تاکہ حکیم صاحب کے ریمارک کا حسن و قبح اظہر من الشمس ہو کر اصلی حالت مین ناظرین کے پیش نظر ہو جائے،

مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری مین نہایت مدلل طور پر تمام اصنافِ سخن سے بحث کر کے اصلاح کا

حق ادا کیا ہے، غزل کے بارہ مین فرماتے ہین، کہ "فی زماننا غزل مین عشقیہ مضامین کے سوا چارہ نہین، لیکن شاہد بازی کا اہتمام اپنے اوپر باندھنا، اور اپنے کو رسوا و ذلیل کرنا مناسب نہین، کیونکہ عشق کا دائرہ اسقدر تنگ نہین ہے، بلکہ خدا کے ساتھ، مان باپ کیساتھ، بیوی کیساتھ، وطن، قوم اور ملک کیساتھ ہو سکتا ہے، . . . .

. . . . آخر مین تحریر فرماتے ہین کہ "غزل کو عشق کے دائرہ مین محدود نکرکے ہر قسم کے خیالات کا آرگن بنانا چاہئے، نیچرل شاعری پھیلانیکا صرف یہ طریقہ ہے کہ ہر قسم کے لطیف خیالات بیان کئے جائین، اور تمام جذبات انسانی کے اظہار کا آلہ بنایا جائے، اور اجنبی وغیر مانوس الفاظ مین ظاہر کیا جائے، اسلوب قدیم ہے جس سے کان آشنا ہو گئے ہین، اور وہی خیالات رہین، مثلاً آسمان کا گردش کرنا عناصر کا چار" پر منحصر ہونا وغیرہ، لیکن انہی بے اصل باتون کے پیرایہ مین نیچرل خیالات اور حقائق کو ادا کرے، ورنہ منتر کے موثر انچھر دن سے ہاتھ دھونا پڑے گا، غرض نا معلوم طور پر رفتہ رفتہ ترقی کرتے چلے جائین"

مولانا حالی کے مذکور الصدر خیالات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی، کہ مولانا کا مفہوم سمجھنے مین مضمون نگار نے ایک ناقابلِ اغماض غلطی کا ارتکاب کیا ہے،

پہلا اعتراض

آہ تو اجڑی ہوئی دلّی مین آرمیدہ ہے
گلشنِ ویمر مین تیرا ہمنوا خوابیدہ ہے

اعتراض ہے کہ "ہم اسے اردو کہین یا فارسی" گویا "آرامیدہ" و "خوابیدہ" کے فارسی اسم مفعول نے شعر کو اردو سے فارسی بنا دیا ہے، لیکن اگر ہم اپنی بول چال مین یہ کہین کہ آج میرا دل "پژمردہ" یا "افسردہ" ہے، تو غالباً اس پر اردو کے اطلاق مین کوئی عذر مانع نہ آسکے گا،

اس موقع پر غالب ہی کے دو شعر کیون نہ نقل کرون، جنکو ہمارے دوست باوجود غلبۂ فارسیت کے موجد سخن اور مصلحِ اعظم تسلیم کر چکے ہین،

بسکہ ہون غالب اسیری مین بھی آتش زیر پا   موے آتش دیدہ ہی حلقہ مری زنجیر کا

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب   مگر ستم زدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

اس سے بھی زیادہ معتبر مثال خود شعرائے لکھنؤ کی ہی، خواجہ وزیر کہتے ہین،

کردیا ہے غم نے کاہیدہ مجھے کیا ہے عجب   استخوان تن سے جو نکلین کہربا کیواسطے

حکیم مومن کا شعر ہے،

نخل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار   عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس

آتش

نزدیک آ چلی ہے سواری بہار کی   برگ خزان رسیدہ گلستان سے دور ہون

یہ تو لفظی ضرورت تھی، بے ضرورت کی مثال بھی ملاحظہ فرمائیے

نفس دزدیدہ آتا ہے مسیحا میری بالین پر   نہین تاب نفس مجھکو بھی ایسی ناتوانی پر

وہ نالان ہون اوڑے جب رنگ اڑ آئے نالو نکی   مرا رنگ پریدہ طائر روح فغانی ہے

خواجہ آتش کی ایک پوری غزل اسی رنگ مین ہے، کشیدہ ہونا تھا، بریدہ ہونا تھا، دریدہ ہونا تھا، رسیدہ ہونا تھا،

۲

نہین منت کش تاب شنیدن داستان میری   خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

یہان مصدر شنیدن پر اعتراض ہی، کہ کسی زبان کے مصدر کا دوسری زبان مین استعمال کرنا ناجائز ہے" اور اسی سلسلہ مین مرزا غالب کی بے احتیاطی کو بھی تسلیم کرلیا ہی، کیونکہ انھون نے بھی "آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے" مین یہی غلطی کی ہے، لطف یہ کہ اعتراض کا مفہوم اسقدر عام ہی کہ عربی و فارسی و بھاشا کی کوئی قید نہین، بلکہ ایک عام کلیہ بیان فرمایا گیا ہے، اور جہان تک قیاس کیا جاتا ہے، کتب قواعد کے صفحات ابھی اس ایجاد

سے محروم ہین، کیا ہماری اردو زبان مین دوسری زبانون کا کوئی مصدر استعمال مین نہین ہے، سب جانتے ہین کہ ایک دو نہین ہزارون مصادر اس مین استعمال ہوئے ہین اور ہوتے ہین، مصادر کی مثالین ملاحظہ کیجئے

ذرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن   ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہین

فرق یہ ہے کہ یہان "تقلید" (مصدر عربی) مضاف اور وہان "شنیدن" (مصدر فارسی) مضاف الیہ ہی، آتش خاص مصدر کے معنی مین عربی مصدر کو استعمال کرتے ہین،

آتی ہی کسطرح سے میری قبض روح کو   دیکھون تو موت ڈھونڈھ رہی ہی بہانہ کیا

فارسی مصدر بھی ملاحظہ ہون حکیم مومن کہتے ہین،

طلسم ماہ لکھون گر پئے زبان بستن   بنائے مہر دہن، چرخ نقطۂ جاسوس

دم گلگشت وہ سبک رفتن   اہتزاز نسیم بستانی،

۳

ہے نگین دہر کی زینت ہمیشہ نام نو   مادر گیتی رہی آبستن اقوام نو

اس شعر مین "آبستن اقوام نو" کی ترکیب کو نادرست ظاہر فرمایا گیا ہے، حالانکہ آبستن بمعنے حاملہ ہے، ترکیب کی درستی مین تو کوئی شبہہ نہین، البتہ محل استعمال زیر بحث ہوسکتا ہی، لیکن اول تو وہ داخل اعتراض نہین، دوسرے فارسی تراکیب اور اضافتون کی اکثریت اردو مین تقلید فارسی کی بدولت ہمیشہ سے رہی ہے، اور قائم رہے گی، اردو کا بتلانا صرف ایک بلکہ چند زبانون کی صناعیون کا نمونہ ہے، نہ وہ بھاشا ہی کا غلام دائمی ہی، نہ فارسی و عربی کا بندۂ زرخرید ہے، اگر محض وہ تراکیب و الفاظ جو شعرائے سلف کے عہد مین مستعمل ہوچکے ہین، قابل پابندی خیال کرتے ہین، تو متروکات کا کیا علاج کرین گے، اور اُن کے بعد جو جدید ادبی ضرورتین علوم جدیدہ کی بدولت جوق جوق بہتی چلی جارہی ہین، اُن کے متلاطم دریا ان تنگ کوزون مین کیونکر بند ہوسکین گے، یہ بھی ایک بدیہی بات ہی، کہ ان قیود سے

زبان بجائے وسیع ہونے کے حد درجہ تنگ ہوجائے گی، اور اس عہدِ ترقی مین وہ ایک باقاعدہ اور مکمل زبان کہلانے کے ہرگز قابل نہ ہوسکے گی، جسطرح فارسی یا کسی دوسری زبان کے بے موقع الفاظ کی کثرت معیوب ہے، اسی طرح یہ امر بھی محتاجِ دلیل نہین، کہ فارسی کی نفیس و چست ترکیب، اضافتون کے اختصار، شوکتِ الفاظ مین بھی جو خوبیان ہین، وہ بے مثل ہونے کی وجہ سے کسی طرح قابلِ ترک نہین ہوسکتین، اور فارسی مصدرون کے استعمال پر ابھی بحث ہوچکی ہے، تکرار کی حاجت نہین،

۴

جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر اُن کو تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کردین

فرماتے ہین، "کچھ بے جوڑ سی ترکیب ہے" نہ معلوم اسکا جوڑ کہان سے کھل گیا، "تپش آمادہ تر" اسم تفضیل تھا "تر" نے "از" اور "از" نے "خونِ زلیخا" پر مجبور کیا، اور یہ مرکب بہ حیثیت کلمۂ واحد "کردین" کا مفعول ہوگیا، مطلب بھی صاف ہے کہ اُن کو یوسفِ گم گشتہ کا جلوہ دکھا کر خونِ زلیخا سے زیادہ بیقرار کردین، تو ایسی اضافات سے کسی مشہور ترین شاعر کا کلام بھی محفوظ نہین، اور غالبًا ہر شاعر اختصارِ کلام کی ضرورت سے مجبور ہوکر اسکی پناہ مین آجاتا ہے،

مومن کا شعر ہے،

شگفتہ تر ہے چمن روضہ ہائے جنت سے ہنسی کی جا نہین گر صومعہ نشین ہے عبوس

۵

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیون

یہان مضمون نگار نے "تجھکو" کی اصلاح دی ہے، حالانکہ پیار بمعنے محبت کے موقع پر "سے" کا لانا ہی ضروری ہے، البتہ جہان پیار بمعنے بوسہ وغیرہ ہو، وہان "کو" مناسب ہوسکتا ہے، ملئے اصلاح خود قابلِ اصلاح ہے[1]

[1] معارف: اس فرق کا کوئی ثبوت حضرت مجیب نے پیش نہین کیا، بظاہر یہ جواب صحیح نہین معلوم ہوتا،

۶

ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل

ڈاکٹر اقبال کے اس مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ روئے آبِ نیل مین کوئی کلمۂ ظرف نہین، اس لئے یا تو "روئے آبِ نیل پر" ہونا چاہئے، یا "بر روئے آبِ نیل"، اعتراض کے خاص الفاظ ملاحظہ ہون، "بے ربط ہے، بر روئے آبِ نیل، یا روئے آبِ نیل پر ہونا چاہئے"، "ب" اور "پر" کی اصلاح پر نظر ڈال لیجئے، بے ربطی اپنا جواب آپ دے لیگی،

ناظرین واقف ہون گے کہ روئے بمعنے بر اکثر آتا ہے، اور فارسی جدید مین تو علی العموم روے کا استعمال بمعنے بر ہوتا ہے، روئے میز گزار، روئے طاق بگزار، کے جملون مین "بر" کے معنی ظاہر ہین، اس صورت مین روئے کلمۂ ظرف ہے، جسپر ایک "ب" یا آخر مین "پر" کا اضافہ قطعًا نادرست ہے، "روئے" کے معنے مین خود ظرفیت ہے، اسلئے "پر" کی ضرورت نہین،

۷

گیند ہے تیری کہان چینی کی بلی ہے کدھر

گیند کو اہلِ دہلی مونث بولتے ہین، اس لئے لکھنؤ کے خلاف ہونے مین کوئی قباحت نہین، کیونکہ حضرت ناقد بھی ان دونون شہرون کو مستند مانتے ہین،

۸

رمز کی تانیث پر بھی یہی اعتراض ہے فرماتے ہین کہ لکھنؤ والے مونث نہین بولتے، شاید دہلی والے بولتے ہون تعجب ہے کہ ناقد صاحب باوجود دعوائے لکھنویت خود لکھنؤ کے مصطلحات سے ناواقف ہین، اگر تشکرہ اِدہ مفید الشعرا مصنفہ جلال لکھنوی کے صفحہ (۲۴) ہی کو دیکھ لیتے، تو یہ عقدۂ لاینحل خود بخود حل ہوجاتا،

میر وزیر علی صبا لکھنوی فرماتے ہین،

غوطے کھلواتی ہین کیا "زمین" بڑی آبِ حسن　　تھاہ اک اک بات کی دو دو پہر ملتی نہین

۹

ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ　　اجل ہون مرا کام ہے آشکارا

اعتراض ہے کہ قضا کو پہلے شعر مین مذکر، اور دوسرے شعر مین مؤنث لائے ہین، حالانکہ قضا مذکر نہین، بلکہ فرشتہ مذکر ہے، اور جب فرشتۂ قضا نے خود کہدیا کہ مین اجل ہون، تو آیندہ تمام گفتگو منجانب اجل مناسب ہوگی، اسلئے دوسرے شعر مین تانیث کا استعمال نہ صرف مناسب ہے، بلکہ زبان اردو کے قواعد کے لحاظ سے لازم و واجب ہے، اور غالباً اجل حکیم صاحب کے نزدیک بھی مونث ہی ہو،

۱۰

پرسشِ اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری

اصلاح ہے کہ "مقصد تھی ہونا چاہئے" معترض نے رسوائی کو مبتدا مان کر حرف ربط کو مطابق مبتدا رکھنا چاہا ہے، حالانکہ اکثر حرف ربط مطابق خبر بھی آتا ہے، مقصد بمعنے مطلب کا مذکر ہونا ظاہر ہے، جدید اصلاح کے مطابق "مقصد تھی" کی بجائے "مقصود تھی" زیادہ مناسب ہو سکتا ہے،

۱۱

اہل دنیا یہان جو آتے ہین　　اپنے انگار ساتھ لاتے ہین

اصلاح ہے کہ "انگارے ہونا چاہئے" اور پھر اصلاح پر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا، تو بے موقع ہونے کی شکایت سے دل کو ڈھارس دی، مجھے یہ شعر بانگِ درا مین تلاش کرنے کے بعد بھی نہین ملا، کاش حوالہ ہوتا، تو تلاش مین آسانی ہو جاتی، میرے نزدیک کچھ عجب نہین کہ کاتب صاحب کی عنایت کو اس مین زیادہ دخل ہو، ظاہر ہے کہ انگار اور انگار مین بہت کم فرق ہے، اگر حکیم صاحب خود بھی غور فرما لیتے، تو غالباً یہ بات حل ہو جاتی،

۱۲

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے　　تجھے ہو شرم تو پانی مین جاکے ڈوب مرے

ذرا سی چیز ہے اس پہ غرور کیا کہنا　　یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا کہنا

معترض ڈاکٹر اقبال اور نظیر اکبر آبادی کے روزمرہ کا تقابل دکھاتے ہوئے "چلو بھر پانی" کے اعتراض کیسا تھ جذبۂ اصلاح سے سرشار ہو جاتے ہین، اور عالمِ بیخودی مین عجیب و غریب اصلاحات کے نعرہ ہاے مستانہ سے دنیاے ظرافت مین ہلچل ڈالدیتے ہین،

ارشاد ہے، کہ "یہان مینڈک ہوتا، تو بہت لطف دیتا" لیکن کون کہے، کہ حضرت وہ تو پانی کا جانور ہے، وہ پانی مین کس طرح ڈوب کر آپ کی چشمِ تماشائی کے ارمان نکال سکتا ہے، اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ "کیا کہنا کی تکرار ناگوار ہے"، افسوس ہے کہ اس ناگواریِ خاطر کا علاج قطعاً ناممکن ہے، کیونکہ غرور اور شعور کے قوافی علیحدہ کرکے صرف ردیف مین تکرار ہوئی ہے اور ردیف کا مکرر آنا فنِ عروض مین لازمی اور لابدی ہے، البتہ اگر حضرت ناقد ردیف ہی کے خلاف ہو گئے ہون، اور فنِ شاعری مین نئی اصلاح کرنا چاہئے تو نہ صرف سر اقبال کی ردیف کو غلط کہنا پڑے گا، بلکہ از اول تا آخر تمام اردو اور فارسی شاعری کو حرفِ غلط کیطرح صفحاتِ کتب و قلوب سے محو کرنا پڑے گا،

اب تیسرے اعتراض پر نظر ڈال لیجئے، فرماتے ہین کہ "عقل سمجھ اور شعور مرادف ہونے کے اعتبار سے برابر بیت ہین" حالانکہ اول تو یہ الفاظ ہی کلیۃً مرادف نہیں، مشابہ مرادف ہین، پھر اگر مرادف مان بھی لئے جائین تو الفاظ کا تغیر و تنکوہ باوجود مرادف المعنے ہونے کے فصاحت کی جان ہوتا ہے، اور اپنی تاکید سے لطفِ کلام پر چار چاند لگا دیتا ہے، جسکے کثیر جلوے نظم و نثر کی کتابون کا حسن دوبالا کر رہے ہین، ان تینون لفظی اعتراضات سے اہم ترین اعتراض مطلب کے خبط ہونے کا ہے، فرماتے ہین کہ "پتہ نہین چلتا کہ گلہری غریب نے پہاڑ کے سامنے کیا ڈینگ ہانکی تھی، کہ وہ اسپر یون گرم ہوا، اور بے شعور وبے تمیز بنانے لگا" میرے نزدیک اس اعتراض کو بھی مثل اعتراضات ماسبق قلتِ تدبر کا نمونہ کہا جا سکتا ہے، کیونکہ گلہری کا پہاڑ کی چوٹیون پر چڑھنا، روندنا،

اور پہاڑ کی افتادہ سطح بلند پر حاکم کل اور متصرف کامل بنکر شور و غوغا کرتے ہوئے پھرنا، اُس کے میوؤن کو بے دردی سے خراب کرنا، اور بے تامل اپنے صرف مین لانا، یہ ایسے امور تھے جہان کسی ڈینگ ہانکنے کی ضرورت لاحق نہ تھی، اس لئے پہاڑ کا بآن عظمت و شکوہ ایک حقیر شئے کو اسطرح مخاطب کرنا کہان تک نازیبا ہوسکتا ہے، اور پھر گلہری جیسی حقیر ذات سے ایک معقول جواب پاکر خاموش ہوجانا ایسا تحیر خیز امر ہے، جسکا لطف ارباب نظر پر ظاہر ہے، اگر حکیم مناکی صلاح کے مطابق گلہری پہلے دعوے کرکے اپنے کمالات کا اظہار کردیتی تو پہاڑ کا آخری جواب اُسکو خاموش کرکے دنیاے شاعری کے تمام لطف و محاسن کو خاک مین ملادیتا، اس لئے کہ شاعر کا مقصود ایک عظیم الشان شے کے مقابلہ مین ادنی شئے کو اہم ثابت کرنا ہے، اور وہ اس صورت مین مفقود ہوجاتا اسکے علاوہ عقل بھی یہی چاہتی ہے، کہ تکبر آمیز سوالات کی ابتدا بھی کسی عظیم الشان ہستی کی جانب سے ہو جس کی وہ مستحق ہے، ادنی شئے کو بدون سبب لتاڑنا نہ برمحل ہے، نہ مطابق عقل،

۱۳

تماشاؤن بجائے تماشون، اور گودی بجائے گود پر بھی نادرست اور متروک نہ ہونے کے اعتراضات فرمائے گئے ہین، "تماشاؤن" کے متعلق تو قواعد کے حوالون کو پیش کرتا ہون، کیونکہ جس لفظ عربی یا فارسی کے آخر مین الف ہوتا ہے، اسکی جمع واؤ نون ہی سے اکثر آتی ہے، جیسے راہنما سے راہنماؤن، دعا سے دعاؤن، خطا سے خطاؤن، اگرچہ عام استعمال مین تماشون کا لفظ خلاف قیاس بولا جاتا ہے، مگر قیاس کا اقتضا یہی ہے جو ڈاکٹر اقبال نے لکھا ہے، رہی گودی، تو اس بارہ مین فصاحت و بلاغت کے مسلّم تاجدار، زبان اردو کے مربی و سرپرست میر انیس کا شعر ملاحظہ فرمایئے،

چلاتی ہے سکینہ کہ لپٹے مرے چچا
محل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا

سب سے آخر مین معترض کی نظر انتخاب کی داد نہ دینا بھی ایک ناقابل عفو غلطی ہے، کیونکہ موصوف نے نظم

[آ]دمی کے مقابلہ مین ڈاکٹر صاحب کی ادنی ترین نظم کی تلاش مین کمال محنت و عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے، [...] بانگ درا کے چند بہترین نمونون مین سے گائے اور بکری کا معمولی مکالمہ ہدیۂ ناظرین کئے دیتا ہون، [ڈاکٹر] صاحب کے اس میدان کے شہسوار نہ ہونے کا شبہہ بھی کلیۂ پاک و صاف ہوجائے،

"ایک گائے اور بکری"

اک چراگہ ہری بھری تھی کہین — تھی سراپا بہار جس کی زمین
کیا سمان اُس بہار کا ہو بیان — ہر طرف صاف ندیان تھین روان
تھے انارون کے بیشمار درخت — اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین آتی تھین — طائرون کی صدائین آتی تھین
کسی ندی کے پاس اک بکری — چرتے چرتے کہین سے آنکلی
جب ٹھہر کر ادہر ادہر دیکھا، — پاس اک گائے کو کھڑے پایا
پہلے جھک کر اُسے سلام کیا — پھر سلیقہ سے یون کلام کیا
کیون بڑی بی! مزاج کیسے ہین — گائے بولی کہ "خیر" اچھے ہین
کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی — ہے مصیبت مین زندگی اپنی
جان پر آبنی ہے کیا کہئے — اپنی قسمت بُری ہے کیا کہئے
دیکھتی ہون خدا کی شان کو مین — رو رہی ہون بُرون کی جان کو مین
زور چلتا نہین غریبون کا — پیش آیا لکھا نصیبون کا!
آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے — اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
دودھ کم دون تو بڑبڑاتا ہے — ہون جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے

معترض کے اہم اعتراضات کا حشر تو ناظرین نے خوب دیکھ لیا، اب سطحی و معمولی اعتراضات مثلاً ہر کوئی بجا کوئی
کرم بجائے کرؔ، تارؔ بجائے تا کا اور کتنیا باقی ہین، ان کے متعلق یہ عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو خود زباندانی کا دعویٰ
نہین ہے، اور بعض جگہ محاورات کی غلطیان بھی ضرور پائی جاتی ہین، مگر نہ اتنی، جتنی کہ معترض نے ایک خاص
بیان کے ساتھ ظاہر فرمائی ہین، اور اس شورستان مین ہمارے دوست ہی کا مبارک قدم پہلے داخل نہین ہوا ہے
جسطرح پہلے گذارش کی جا چکی ہے، چند دوسرے اصحاب بھی اس دشت کی سیاحی کرکے پبلک کی نگاہون مین
یا بطور پر روشناس ہو چکے ہین، مین یہ تسلیم کرنے کو تیار ہون کہ ڈاکٹر صاحب کوئی مافوق الفطرت ہستی نہین ہین
غلطیون کا اُن سے سرزد ہونا بالکل ممکن ہے، کیونکہ اقلیم سخن مین تقریبًا دنیا کے تمام گران پایہ شعرا معمولی فروگذاشتون
کا شکار ہوتے رہے ہین، شاعری کی ایک صنف غزل مین محدود رہکر بندھے الفاظ و محاورات کیساتھ کلام کو ظاہری
عیوب سے پاک وصاف کر لینا کوئی دشوار کام نہین ہے، البتہ مختلف اصنافِ سخن کے وسیع میدان مین قدم رکھکر معمولی
جزئیات کا سختی سے پابند رہنا نہایت مشکل ہے، جس سے نہ کوئی اردو کا شاعر بچ سکا ہے، نہ فارسی کا،

ایک روشن دماغ انسان جب ان مشہور ہستیون کے کلام پر نظر ڈالتا ہے، تو محاسن کے کثیر جلوے
دماغ اور نگاہ کو اسقدر خیرہ کر دیتے ہین، کہ خفیف لغزشون کی تاریکی خود بخود روپوش ہو جاتی ہے، دراصل
شاعر وہ ہے جسکا احساس قوی ہو جس واقعہ سے متاثر ہو کر شعر کہے، دوسرون کو بھی مسحور کر دے، چنانچہ جس شاعر
کا احساس جسقدر قوی اور لطیف ہوگا، اُسی قدر اُسکا کلام شعریت و اثر سے لبریز ہوگا، میرے نزدیک اس معیار
پر ڈاکٹر صاحب کی ذات، ہندوستان کے تمام شعرا سے افضل ہے، اگرچہ حکیم صاحب نے ایک جگہ تو صرف پنجاب کا
بڑا شاعر مانا ہے، اور دوسری جگہ دائرہ کو قدرے وسیع کر دیا ہے، جہانتک معلوم ہوتا ہے مضمون نگار صاحب
زبان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کے دلدادہ ہین، اُن کے نزدیک احساس و اثر، تخئیل و محاکات جو شاعری کی اصل روح ہین
چندان قابلِ تفوق نہین، یہی وجہ ہے، کہ اکثر حضرات کی شاعری غزل کی محدود اور تنگ زمین مین زبانی خوبیون کے
سوائے تاثیر کے جواہر سے تہی دست ہو کر ادعاے شاعری کے طبل تہی سے تمام عالم کو ہلائے ڈالتی ہے، لیکن دنیا

ہے، کہ شاعر کی قوتِ احساس کے مقابلہ مین لفظی طلسم کی چندان قدر نہین، اور نہ جلیل القدر شعرا کو ان
بیان پر کافی غور کرنے کا موقع ہی ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لفظی طلسم والے شعرا ظاہر بین نگاہون کو خیرہ کر سکتے
لیکن اہل ذوق کو تڑپا نہین سکتے، اور کوئی شبہ نہین کہ اس نظریہ کے ماتحت اس قسم کے شعرا لقب "ناظم"
سے ملقب کئے جانے کے سزاوار ہین نہ کہ "شاعر"،

مضمون قدرے طویل ہو گیا، اس لئے مضمون نگار کی ایک دلچسپ صلاح پر (جو لطیفہ سے کم نہین)
نظر ڈالتے ہوئے مضمون کو ختم کرتا ہون، فرماتے ہین کہ "اُن کو (ڈاکٹر صاحب کو) عشق سے چھو تک بھی
نہین پڑا ...... مشرقی شاعر کو غزل کہتے وقت ضرور عاشق بن جانا چاہئے، ورنہ غزل کہنا
چھوڑ دے ...."

معلوم نہین حکیم صاحب نے مرضِ عشق کی حقیقت کیا سمجھی ہے، میرے نزدیک تو عشق کی چمک اور تڑپ
جسقدر ڈاکٹر صاحب کے اشعار اور قلب مین پائی جاتی ہے، دوسرے شعرا کے کلام مین اسکا ملنا بہت دشوار ہے
عشق کے لئے احساس کا ہمہ گیر ہونا لازمی ہے، جو نہ صرف غزل کے دائرہ مین ایک خیالی محبوب تک محدود ہو، بلکہ ہمہ تن
عشق و محبت سے پر ہو، کائنات کے ذرہ ذرہ کو محبت کی نگاہون سے دیکھے، اور ہر واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے
درد دل کا اظہار کرے، اور کوئی شک نہین ڈاکٹر صاحب سراپا درد اور مجسم آرزو ہین، اسلئے قدرت کے ہر منظر سے
ہم آغوش ہونے کے لئے بیتاب ہین، اُن کا دردِ عشق، جزیرہ سسلی، تصویرِ درد، پیامِ عشق، محاصرۂ ادرنہ، مسلمان
شمع اور ترانۂ ملی سے بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے، البتہ بوس و کنار اور ہم آغوشی کے تفصیلی مناظر ضرور موجود نہین ہین، اور میرے
خیال سے ایک مہذب اور مصلح قوم شاعر کا یہ فرضِ اولین ہے، کہ رکاکت و ابتذال سے خود بھی بچے، اور دوسرون
کو بھی بچائے، اور اگر سر محمد اقبال صاحب اس عمر مین حکیم صاحب کے اس طبی مشورہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھین تو کیا کہنا

———.———

مسلمانون اور عیسائیون کی "مودّت"

مشہور متکلم جاحظ کے نقطۂ نظر سے

از مولانا عبد السلام ندوی

آغاز اسلام ہی سے یہودیون اور عیسائیون سے مسلمانون کے تعلقات قائم ہوئے، اوران [illegible]
کی بنا پر قرآن مجید نے یہودیون کو مسلمانون کا سب سے بڑا دشمن اور عیسائیون کو مسلمانون کا سب سے بڑا دوست [illegible]
قرار دیا، اس کے بعد بھی عیسائیون نے اسلامی تمدن کے عہدِ شباب مین نہایت نمایان حیثیت حاصل
کی، اوران مین سیکڑون حکمار واطبار پیدا ہو گئے، جو خلفار کے دربارون مین نہایت ممتاز حیثیت رکھتے
تھے، لیکن یہودی جسقدر اسلام کے ابتدائی زمانہ مین علم و فضل اور مال و دولت کے لحاظ سے ممتاز تھے
اُسی قدر زمانۂ مابعد مین گمنام ہو گئے، اور اسلام کے ابتدائی دور کے بعد ان کی کوئی قابلِ ذکر حیثیت قائم
نہین ہونے پائی، اس لئے قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہین کہ آخر اس اختلاف کا کیا سبب ہے؟ آغاز
اسلام مین یہودیون کی دشمنی اور عیسائیون کی دوستی کی وجہ کیا ہے؟ بعد کو تمدنی اور علمی حیثیت سے ان کی مختلف
حالتین کیون قائم ہوئین؟ کیا اسلام نے سیاسی حیثیت سے اپنے دشمن یہودیون کو فنا کرکے صرف اپنے دوست
عیسائیون کو زندہ رکھا؟ یا خود ان مین زندہ رہنے کی صلاحیت موجود تھی؟ لیکن عام اسلامی تاریخون مین
ان سوالات کا جواب نہین ملتا، البتہ جاحظ نے عیسائیون کے رد مین ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے، جس
مین اس موضوع پر نہایت عمدہ بحث کی ہے اور یہودیون اور عیسائیون کے اس اختلاف حالت
کے حسب ذیل اسباب بتائے ہین،

(۱) یہ عام قاعدہ ہے، کہ انسانون کے تعلقات باہم جسقدر قریبی ہوتے ہین اُسی قدر اُن مین
[illegible] محبت زیادہ پیدا ہوتا ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی سے سخت محبت رکھتا ہے، لیکن
جب باہم اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، تو ان مین سخت عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے، ابتدائے اسلام
مین مسلمانون کے ساتھ یہودیون کو بھی اسی قسم کی قربت حاصل تھی، کیونکہ مدینہ اور اطراف مدینہ مین تو وہ
پہلے ہی سے انصار کی ہمسایہ تھے اس کے بعد جب مہاجرین نے ہجرت کی تو وہ اُن کے بھی
ہمسایہ بن گئے، اسلام سے پہلے یہودیون کو انصار پر مذہبی، علمی اور اقتصادی حیثیت سے تفوق حاصل
تھا، اور وہ اُن کے سیاسی ضعف اور اجتماعی افتراق و پراگندگی سے مختلف قسم کے فائدے اُٹھاتے رہتے
تھے، لیکن جب اسلام نے یہودیون کے اس تفوق کا خاتمہ کر دیا، اور انصار کی قومی تفریق کو مٹا کر اجتماعی
حیثیت سے ان کی شیرازہ بندی کی، اور مہاجرین بھی اس قومی ترکیب کا ایک اہم جزو بن گئے، تو یہودیون
نے اسکو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھا، اور اسلام کی بیخکنی کے لئے عوام کے دلون مین اسلام کی
جانب سے شکوک و شبہات پیدا کئے، اور کمزور وضعیف لوگون کو اپنی طرف مائل کیا، اس سے
بھی آگے بڑھکر علانیہ جنگ و جدل کے لئے ہر قسم کی سازشین کین، اور اس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا
اس لئے قدرتی طور پر مسلمانون کے دلون مین یہودیون کی سخت عداوت پیدا ہو گئی، اور وہ ان کو اپنا سخت
دشمن خیال کرنے لگے، لیکن عیسائیون کی حالت یہودیون سے بالکل مختلف تھی، کیونکہ اُن کی آبادی مکہ اور
مدینہ دونون سے دور تھی، اور وہ اسلام پر نہ طعن و تشنیع کرتے تھے، اور نہ مسلمانون کے خلاف جنگ
مین حصہ لیتے تھے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانون کو یہودیون کے ساتھ جسقدر بغض پیدا ہو گیا تھا، اُسی
قدر ان کے دلون مین عیسائیون کی محبت پیدا ہو گئی، اس کیساتھ مہاجرین نے حبش کیطرف ہجرت کی، تو
نجاشی (جو مذہباً عیسائی تھا،) کے حسن سلوک نے مسلمانون کی نگاہ مین عیسائیون کو اور بھی محبوب کر دیا،

(۲) عیسائیون کی محبت کا ایک بڑا سبب اس آیت کی غلط تفسیر ہے،

لتجدن اشد الناس عداوة
للذین آمنوا الیهود والذین اشرکوا ولتجدن
اقربهم مودة للذین آمنوا الذین قالوا
انا نصارے ذلک بان منهم قسیسین ورهبانا
وانهم لا یستکبرون، واذا سمعوا ما
انزل الی الرسول ترے اعینهم تفیض من
الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا
آمنا فاکتبنا مع الشهدین ومالنا لا نؤمن
بالله وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا
ربنا مع القوم الصلحین، فاثابهم الله
بما قالوا جنت تجری من تحتها الانهر
خلدین فیها وذلک جزاء المحسنین

تم تمام لوگون مین مسلمانون کی عداوت مین سب سے
زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور
دوستی کے مسلمانون سے سب سے زیادہ قریب ان لوگون کو
جو کہتے ہین کہ ہم عیسائی ہین، یہ اس لئے کہ ان مین قسیسین
اور رہبان ہین، اور وہ لوگ تکبر نہین کرتے، اور جب
اسکو سنتے ہین، جو رسول پر اتارا گیا ہے، تو اُن کی آنکھون سے
جاری ہو جاتے ہین، اس لئے کہ اُنھون نے حق کو پہچان
لیا ہے، وہ لوگ کہتے ہین، کہ خداوندا ہم ایمان لائے، اس لئے
ہمکو شہادت دینے والون کے ساتھ لکھ، ہم خدا پر اور اُس
حق پر جو ہمارے پاس آیا، کیون نہ ایمان لائین، اور یہ خواہش
کرین کہ ہمارا خدا ہمکو نیک قوم مین داخل کرے، تو اُنھون نے
جو کچھ کہا، خدا نے اسکے بدلے مین اُن کو وہ باغ عطا فرمائے
جن کے نیچے سے نہرین بہتی ہین، وہ ہمیشہ اس مین رہین گے،
اور یہ نیکی کرنے والون کا بدلہ ہے،

کیونکہ خود اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے عام عیسائی مراد نہین، بلکہ بحیرا اور اسی قسم کے راہب اور قسیسین مراد ہین، جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے تھے، لیکن اگر اُنہون نے اپنے آپ کو غلطی سے عیسائی کہدیا تو اس سے ہم اُن کو یقینی طور پر عیسائی نہین کہہ سکتے،

امام رازی نے تفسیر کبیر مین لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ وغیرہ کے نزدیک اس سے تمام عیسائی جو مسلمانون کے علانیہ دشمن ہین، مراد نہین ہین، بلکہ نجاشی اور ان کی قوم کے لوگ مراد ہین

جو حبشہ سے آکر رسول اللہ صلعم کی خدمت مین مشرف باسلام ہوئے تھے، لیکن بہرحال اس آیت سے عیسائیون نے فائدہ اُٹھایا، اور مسلمانون کو اپنی طرف مائل کر لیا،

(۳) عیسائیون کی محبت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جب اسلام کا ظہور ہوا، تو عرب پر صرف دو شخص حکمران تھے، جن مین ایک غسانی اور دوسرا حمیری تھا، اور یہ دونون کے دونون عیسائی تھے، اور تمام عرب ان کا باج گذار تھا، اس لئے اہل عرب قدرتی طور پر اُن کے ساتھ اُن کے مذہب کی بھی عزت کرتے تھے، تہامہ یعنی حجاز اگرچہ کسی سلطنت کے زیر اثر نہ تھا، لیکن عام طور پر لوگ جن لوگون کی تعظیم و تحقیر کرتے تھے اہل حجاز کو بھی ان کی تعظیم و تحقیر سے انکار نہ تھا، اس کے علاوہ شام اُنکی تجارت گاہ تھا، اور اس تقریب سے اہل تہامہ سلاطین روم (جو عیسائی تھے) کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، جاڑون اور گرمیون مین اہل تہامہ جیسا کہ قرآن مجید مین مذکور ہے، یمن شام اور طائف کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے، اور ملک حبش مین اُن کے وفود نجاشی کے دربار مین حاضر ہوتے تھے، اور وہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اور ان کو بیش بہا صلے دیتا تھا، اس لئے قدرتی طور پر عیسائیون کے ساتھ اہل عرب کے خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے تھے لیکن یہودیون اور مجوسیون کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی، اسلئے وہ مسلمانون کی اُس لطف و محبت سے محروم رہے، جسکو ان تعلقات نے عیسائیون کی لئے مخصوص کر دیا تھا،

(۴) عیسائیون کی محبوبیت کا ایک بڑا سبب یہ تھا، کہ مذہبی حیثیت سے تمام عرب مین عیسائیت کو عام غلبہ حاصل ہو گیا تھا، قبیلۂ مضر تو بے شبہہ یہودیت، مجوسیت اور عیسائیت سے متاثر نہین ہوا تھا، بلکہ اسلام سے پہلے قدیم عربی جاہلی مذہب کا پابند تھا، لیکن اُسکے علاوہ تمام سلاطین عرب اور قبائل عرب عیسائی مذہب کے پیرو تھے، نجران مین لخم، غسان، حارث بن کعب اور قضاعہ اور طے وغیرہ بہت سے قبائل عیسائی تھے، اس کے بعد قبیلۂ ربیعہ نے عیسائیت کو قبول کیا، اور تغلب، عبد القیس، قبائل بکر مین اُس کی عام اشاعت ہو گئی، پھر آل ذو الجدین نے خصوصیت کیساتھ عیسائیت کو قبول کیا، قبیلۂ مضر کے جو لوگ حیرہ مین آباد ہو گئے تھے، انہون

نے بھی عیسائیت کو قبول کرلیا تھا، اور عباد کہلاتے تھے، لیکن عرب مین یہودیت کو عام حسن قبول حاصل نہین ہوا تھا، یہود صرف یثرب، خیبر، تیماء اور وادی قری مین آباد تھے، لیکن یہ سب کے سب نسلاً اسرائیلی سے تھے، عرب نہ تھے، عربی قبائل مین ایاد و ربیعہ کے لوگون مین چند لوگ تو بے شبہہ یہودی ہوگئے تھے، اور ہمسائگی کی وجہ سے انصار بھی کسی قدر اُن کے مذہبی اثر سے متاثر تھے، لیکن اور قبائل پر یہودیت کا کوئی اثر نہ تھا، اس بنا پر حکومت کے اثر اور مذہبی قومی و نسبی تعلق نے مدبرین عرب کو عیسائیون کیطرف زیادہ مائل کیا، اور یہود اس شرف سے محروم رہ گئے،

(۵) عقلی علوم کی اشاعت کے بعد عیسائی علمی حیثیت سے بھی یہودیون سے ممتاز ہوگئے، کیونکہ یہودیون کے نزدیک علم صرف تورات اور کتب انبیاء مین محدود تھا، اس کے علاوہ اُن کے نزدیک فلسفیانہ اور متکلمانہ مباحث کفر و بدعت خیال کئے جاتے تھے اور طب و نجوم کی تصدیق زندقہ و دہریت کا سبب تھی، لیکن عیسائی یونانیون سے زیادہ قریب تھے اور اُن کا خیال تھا کہ یونانی بھی رومی قبائل مین داخل ہین، اس لئے اُنھون نے یونانی حکمت و فلسفہ سے خوب فائدہ اٹھایا، اور ان کی بہت سی کتابون کو اپنی طرف یا اپنے مذہب کیطرف منسوب کرلیا، اس بنا پر عہدِ اسلام مین طبیب، متکلم، منجم اور فلسفی زیادہ تر عیسائی ہوئے، اور عام لوگون پر اُن کے اس علمی امتیاز کا اثر پڑا، ابتداے اسلام مین یہود کو بھی اگرچہ علمی فضیلت حاصل تھی، اور اسلام کے نقلی علوم پر ان کا اثر بھی پڑا، لیکن عقلی علوم کی اشاعت کے بعد اُن کی کوئی علمی حیثیت قائم نہ رہ سکی،

(۶) عیسائی پیشے کے لحاظ سے بھی یہودیون سے ممتاز تھے، کیونکہ بادشاہون کے میرمنشی، رؤسا و شرفاء کے طبیب، عطار، صراف، نجار اور تصویرساز زیادہ تر عیسائی ہوتے تھے، اس کے مقابل مین یہودیون کا پیشہ نہایت ذلیل تھا، اور وہ صرف رنگریز، دباغ، حجام اور قصاب ہوتے تھے، پیشے کیطرح معاشرتی حیثیت سے بھی عیسائی یہودیون سے زیادہ صاف اور ستھرے رہتے تھے، اور عمدہ لباس زیب تن

کرتے تھے، اس اختلافِ حالت کو دیکھکر عام لوگون نے یہ خیال قائم کرلیا کہ پیشہ اور معاشرت کی طرح یہودیون کا مذہب بھی نہایت ذلیل اور نجس ہے،

لیکن ان اسباب مین عیسائیون کی محبوبیت کا کوئی مذہبی سبب نہین ہے، بلکہ سب کے سب طبعی و تمدنی اسباب ہین، اس لئے اگر ان سے قطع نظر کرلی جائے، تو مذہبی حیثیت سے یہودیون اور عیسائیون مین کوئی فرق نہین ہے، بلکہ عیسائیون کا کفر یہودیون کے کفر سے زیادہ سخت ہے، چنانچہ امام رازی نے تفسیر کبیر مین لکھا ہے کہ یہود مسلمانون سے صرف مسئلۂ نبوت مین اختلاف رکھتے ہین، لیکن عیسائیون کو ان سے الوہیت اور نبوت دونون مین اختلاف ہے، اسلئے ان کا کفر یہودیون سے زیادہ سخت ہے، لیکن بایں ہمہ چونکہ یہود دنیوی حیثیت سے مال و جاہ کے سخت حریص تھے، اور اسلام کے اقتدار کو اپنے دنیوی مفاد کے لئے مضر سمجھکر مٹانا چاہتے تھے، اسکے برخلاف عیسائیون کو ان کے مذہب نے حلم، تحمل، بردباری، عفو و درگذر اور زہد و قناعت کی تعلیم دی تھی، اس لئے ان کو اسلام کے دنیوی اور سیاسی اقتدار سے کوئی وجہ پرخاش نہ تھی، اس لئے خداوند تعالیٰ نے یہودیون کو مسلمانون کا دشمن اور عیسائیون کو مسلمانون کا دوست قرار دیا، لیکن بعد کو عیسائی بھی مسلمانون کے لئے یہودیون سے کچھ کم خطرناک ثابت نہین ہوئے،

بہرحال مذکورۂ بالا اسباب سے عیسائیون اور مسلمانون مین جو معاشرتی اختلاط ہوا، اُس نے اُن کو ہر حیثیت سے مسلمانون کے مساوی بنادیا، یہانتک کہ وہ اپنا نام حسن، حسین، عباس، فضل اور علی رکھنے لگے، بہت سے عیسائیون نے زنار باندھنا چھوڑ دیا، اور جو زنار باندہتے تھے، وہ کپڑون کے نیچے باندہتے تھے، یہانتک کہ اس مساویانہ برتاؤ نے اُن کو اسقدر دلیر بنادیا کہ مسلمانون مین اگر کوئی شخص اُن کو برا بھلا کہتا تھا تو وہ بھی اُسکو برا بھلا کہتے تھے، اور جو شخص اُن کو مارتا تھا، وہ بھی اُن کو مارتے تھے، عوام بلکہ قاضیون تک کا یہ خیال تھا کہ پادریون کا خون حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کے خون کے برابر ہے، اور اُنھون نے یہ رائے قائم کرلی تھی، کہ اگر کوئی عیسائی رسول اللہ صلعم کی والدہ پر تہمت لگائے تو اس کو تادیباً صرف معمولی سزا

دیجا سکتی ہے، کیونکہ آپ کی والدہ مسلمان نہ تھین، اور چونکہ اس کے متعلق معاہدون مین کوئی شرط نہین ہے اس لئے اس مین عہد شکنی بھی نہین پائی جاتی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام باتین اسلامی احکام کے خلاف ہین، کیونکہ خلفاء راشدین رضؓ کے زمانہ مین عیسائیون کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے تھے، اُن مین بے شبہہ یہ شرط نہین تھی، کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کی والدہ پر کوئی اتہام نہ لگائین، لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ عیسائیون کو اسکا حق حاصل تھا، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے نزدیک عیسائیون پر اسکی پابندی اسقدر بدیہی اور ضروری تھی، کہ معاہدے مین اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہ تھی، اسلئے کہ اگر وہ ان شرائط کو معرضِ تحریر مین لاتے، تو اس سے اُن کا سیاسی ضعف ثابت ہوتا، کیونکہ معاہدات مین صرف وہ شرطین لکھی جاتی ہین، جن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوسکتے ہین، اُن مین غلطیان ہوسکتی ہین، حکام سے اُن کے سمجھنے مین فروگذاشتین ہوسکتی ہین، گو وہ اُن کو بھول سکتا ہے اور اسطرح اون مین نزاعین پیدا ہوسکتی ہین، لیکن بدیہی باتون کا معاہدات مین کوئی ذکر نہین کیا جاتا، خلفاء نے جزیہ وغیرہ کے متعلق تو معاہدے مین شرطین کرلی تھین، لیکن ایک ذلیل رعایا کیساتھ جو خود یہ درخواست لیکر حاضر ہوئی تھی، کہ جزیہ لیکر اُس کے جان و مال کی حفاظت کیجائے، یہ معاہدہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلعم کی والدہ پر اتہام لگانے کا حق حاصل نہ ہوگا، ایک ایسی سیاسی شرط ہے، کہ معمولی شخص بھی اسکو جائز نہین رکھتا، پھر خلفاے راشدین رضؓ کیونکر ایسی ذلیل شرط کرسکتے تھے، جو عرب کی خودداری، حکومت کے اقتدار اور غلبۂ اسلام کے بالکل منافی تھی، صحابۂ کرام مین جو لوگ نکتہ رس تھے، وہ اس سیاسی اصول سے واقف تھے، چنانچہ ایک بار ایک عیسائی نے رسول اللہ صلعم کو بُرا بھلا کہا، تو حضرت غرفہ رضؓ نے اُسکے منہ پر طمانچہ مارا، اُس نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی خدمت مین استغاثہ کیا، تو انھون نے حضرت غرفہ رضؓ کو بلا کر کہا کہ "ہم نے اُن سے معاہدہ کیا ہے" وہ بولے کہ نعوذ باللہ، کیا ہمنے اُن سے یہ معاہدہ کیا ہے، کہ رسول اللہ صلعم کو علانیہ بُرا بھلا کہین، ہمنے صرف یہ معاہدہ کیا ہے، کہ وہ اپنے گرجون مین جو چاہین کہین، حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے.

علمی حیثیت سے جو مذہبی نقصانات یہود ابتداے اسلام مین پہنچاتے تھے، اسی قسم کے نقصانات

عیسائیون نے اخیر مین پہنچائے، کیونکہ یہ لوگ متشابہ آیتون اور متناقض اور ضعیف حدیثون کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے تھے اور مسلمانون مین جن لوگون کو ضعیف العقل اور سادہ لوح پاتے تھے، اُن سے اُن کے متعلق سوالات کرتے تھے، اور ساتھ ساتھ زندقہ اور الحاد کی تعلیم دیتے تھے، فرقۂ سبائیہ[1]، ثنائیہ[2]، دیصانیہ[3]، مرقونیہ، اور فلانیہ[4] کی کتابون کو عیسائیون کے متکلمین، اطباء، اور منجمین ہی نے مسلمانون کے سامنے پیش کیا، اور اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو یہ کتابین نمایان نہ ہوتین، اور مسلمان کتاب اور سنت کے سوا کسی اور چیز سے واقف نہ ہوتے،

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ مذہبی حیثیت سے یہود اور عیسائی دونون اسلام کے سخت ترین دشمن ہین، فرق صرف یہ ہے کہ یہودیون نے علانیہ دشمن بنکر اسلام کو نقصان پہنچایا، اور عیسائیون نے دوست بنکر ضرر رسانی کی، لیکن یہ دوستانہ ضرر رسانی بھی خلافت عباسیہ کے زمانہ تک قائم رہی، اس کے بعد جنگ صلیبی کا سلسلہ شروع ہوا تو عیسائی بھی علانیہ مسلمانون کے دشمن ہوگئے، اور آج تو مسلمانون کے دشمن صرف یہی عیسائی ہین،

---

[1] یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کے قائل تھے، اور ان کا خیال تھا کہ ان مین ایک جزو الٰہی حلول کرکے ان کے جسم کیساتھ متحد ہوگیا ہے، اس سے درپردہ مسلمانون مین الوہیت مسیح کا خیال پھیلانا مقصود تھا،

[2] یہ لوگ نور کو خیر کا اور ظلمت کو شر کا خالق خیال کرتے تھے، لیکن نور قصداً خیر کا خالق تھا، اور ظلمت اضطراراً،

[3] یہ لوگ نور اور ظلمت کو دو متضاد چیز خیال کرتے تھے، لیکن ان دونون کے ساتھ ایک تیسرا واسطہ بھی تسلیم کرتے تھے، جو نور سے کم درجہ، اور ظلمت سے بلند رتبہ تھا، اور اسکا کام اعتدال پیدا کرنا تھا، اور تولید مزاج کا وہی سبب تھا،

[4] یہ لوگ حضرت علی کو رسول اللہ صلعم پر ترجیح دیتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلعم کو انہین نے مبعوث کیا تھا، ان مین بعض لوگ حضرت علی اور رسول اللہ صلعم دونون کو خدا مانتے تھے،

تلخیص وتبصرہ

وادیِ سندھ وپنجاب کے دو مدفون شہر

ہندوستان میں آثار قدیمہ کی تحقیقات اس سرزمین کے تاریخی دفینوں کو جس طرح کھود کھود کر نکال رہی ہے، اس سے امید ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کے بہت سے گم شدہ اوراق دوبارہ ہمارے ہاتھوں میں آجائیں گے،

ابھی حال میں سندھ اور پنجاب میں دو اور تاریخی شہر نمودار ہوئے ہیں، جن سے آج سے ۵۰۰۰ ہزار برس پہلے کی ہندوستانی تہذیب ومعاشرت پر روشنی پڑتی ہے، ان دونوں میں ایک کا نام ہڑپہ ہے، اور دوسرے کا موہنجو دارو، پہلا پنجاب میں ہے، اور دوسرا سندھ میں،

موہنجو دارو کے آثار کا رقبہ ۱۳ ایکڑ ہے، یہ آج سے ۴۷۰۰ برس پہلے آباد تھا، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شہر سب سے نیا اور آخری شہر تھا، جو سندھ میں آباد ہوا تھا، نیچے اوپر اس کے تین طبقے ہیں، اس کے قابل ذکر آثار میں سب سے عجیب وغریب ایک بڑا حوض ہے، اسکا طول ۳۹ فٹ عرض ۲۳ فٹ اور گہرائی ۸ فٹ ہے، یہ حوض مذہبی مراسم میں حمام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، یا تفریحاً تیراکی کے لئے بنایا گیا تھا، اسکے چاروں طرف پانی میں اترنے کے لئے سیڑھیاں ہیں، دیواریں پختہ اینٹ کی ہیں، اور ایک خاص قسم کی مٹی سے جڑی ہیں، ان پر نہایت خوبصورتی اور صفائی سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جماد ئے گئے ہیں، حوض کی دیواروں کے اندرونی رخ پر تار کول کی پالش ہے، کہ پانی نہ رس سکے،

اس سے ملا ہوا پانی کا ایک بڑا خزانہ ہے، اس پر ۸ فٹ اونچا ایک پل ہے،

بڑے حوض کے پاس ہی اسی قسم کا ایک اور حوض ہے، لیکن یہ گندہ ہے،

ان کے علاوہ رہنے کے ایک چھوٹے مکان اور ایک چھوٹی تجارتی کوٹھی کے آثار نکلے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجلہ فرات اور نیل کے ان قبیل کے باشندوں سے یہ سندھی زیادہ آزاد اور ترقی یافتہ تھے،

اسی قسم کے آثار کلدانیوں کے اُور میں بھی نکلے تھے، لیکن ان کا اُن کا کوئی مقابلہ نہیں، خصوصاً موہنجو دارو کے پانی کے خزانوں کا نظام بہت بہتر ہے، ان میں مختلف حماموں کا گندہ پانی ایک بڑے حوض میں جمع ہوتا ہے، پھر اس سے شہر کے باہر نکل جاتا ہے،

موہنجو دارو کی تاریخ سوسا (فارس) میں بعض ہندوستانی مہریں نکلی ہیں، یہ اسی تمدن پر روشنی ڈالتی ہیں، جن جن مقاموں پر یہ مہریں نکلی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ سارگن اول یعنی سنہ ۲۸۰۰ ق م کی ہیں، اس کے علاوہ اُور میں ایک مہر ملی ہے، اس پر وہی نقش ہے، جو سوسا کی بعض مہروں میں ہے، اور اس کا نقش میخی خط میں ہے، یہ خط بھی اسی زمانہ میں رائج تھا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ، اس قسم کی مہریں سنہ ۲۸۰۰ ق م یا اس سے بھی اگلے زمانہ میں مخصوص تھیں، ان مہروں کو موہنجو دارو کے شہروں سے گہرا تعلق ہے، لہذا بلاشک وشبہ ان شہروں کا زمانہ سنہ ۳۲۵۰ ق م سے لیکر سنہ ۲۷۵۰ قبل مسیح تک ہے، البتہ ان کے بسنے اور اجڑنے کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا، لیکن اگر پہلے طبقہ والے شہر کی تاریخ سنہ ۲۷۵۰ ق م اور وسط کی سنہ ۳۰۰۰ ق م اور نیچے والے کی سنہ ۳۲۵۰ ق م متعین کر دی جائے، تو غلط نہ ہوگا،

ہڑپہ کے شہروں میں اوپر کے طبقہ والے شہر کا زمانہ انھیں کے برابر ہے، لیکن نیچے والے شہر کا زمانہ ان سے بہت پہلے ہے، اس کی تعیین نہیں کی جا سکتی،

یہاں کس قسم کے انسان آباد تھے، اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جا سکتا، کہ سندھ کے تمدن کی بنیاد کس قسم کے انسانوں کے ہاتھوں پڑی تھی، کیونکہ ابھی تک اثری تحقیقات اس حد تک نہیں پہنچی ہے، البتہ جو بڑے بڑے ہیکل ملے ہیں، ان سے اسقدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سر سپاٹ (DOLECHOCEPHALIC) تھے، اسلئے یہ لوگ ان مستطیل

سر والے قبیلوں کی طرف جو جنوبی ایشیا اور یورپ میں رہتے تھے، اور جن کو بحر ابیض متوسط کے قبائل کہا جاتا ہے، منسوب ہو سکے ہیں، اب تک صرف ایک مدور کاسۂ سر BRACHRCEPHALIC ملا ہے، جو مورتیں ملی ہیں، اُن کے سر بھی مدور ہیں، لیکن ابھی تک ایسے معلومات فراہم نہیں ہوئے ہیں، جو کسی یقینی نتیجہ تک پہنچا سکیں،

شہر کے خرابات میں بہت سے تکلے اور باریک بناوٹ کے روئی کے کپڑے ملے ہیں، ان سے یہ تو قطعی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے کاتنا اور بنا دونوں جانتے تھے، دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بابلی زبان میں روئی کو "سندھو"، اور یونانی میں "سندن" کہتے ہیں، "سند" کا اشتراک بتاتا ہے، کہ سندھ روئی کا مرکز تھا، اب تک لوگ مشتبہ تھے، بعضوں کا خیال تھا، کہ جو روئی بابلی اور یونانی استعمال کرتے تھے، وہ اِن درختوں سے حاصل نہیں کی جاتی تھی، جو آجکل مشہور ہیں، لیکن جدید انکشافات سے یہ خیال قطعی غلط ثابت ہو گیا، یہاں کے مردوں کا لباس دو کپڑوں پر مشتمل تھا، ایک چادر کمر میں باندھتے تھے، اور ایک سادی یا بوٹہ دار شال بائیں شانہ کے اوپر سے داہنی جانب بغل کے نیچے لے جاتے تھے، داڑھی اور مونچھیں کبھی رکھتے تھے، اور کبھی منڈا دیتے تھے، بالوں میں جوڑا باندھنے کا طریقہ تھا، ایک نسوانی مورت کا سر ملا ہے، اسکے بال بازوؤں اور پشت کی طرف بکھرے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ طریقہ عام طور پر رائج تھا، یا مخصوص تھا، نیچے طبقے کے مرد برہنہ رہتے تھے، عورتیں صرف ستر عورت کرتی تھیں، ایک نوخیز رقاصہ کی مورت ملی ہے، یہ بالکل عریان ہے، مختلف طبقوں کے مرد عورت مختلف قسم کے زیورات استعمال کرتے تھے،

پالتو جانور: پالتو جانوروں میں بیل، بھینس، مینڈھا، سور، کتا، گھوڑے اور ہاتھی تھے، اونٹ اور بلی کا کوئی نشان نہیں ملا، جنگلی کے جانوروں میں چیتا، ہاتھی، بارہ سنگا تھا، شیر کا البتہ کوئی پتہ نہیں۔

زراعت: موہنجو دارو اور ہڑپا دونوں زراعت میں اُس زمانہ کے بڑے بڑے شہروں میں ممتاز تھے، گو ابھی تک زراعت کے طریقوں کا انکشاف نہیں ہوا ہے، آب پاشی کے طریقے نہایت معمولی تھے، موہنجو دارو

میں جو گیہوں ملے ہیں، وہ وہی ہیں، جو آج کل پنجاب میں پیدا ہوتے ہیں، سندھ اور مغربی پنجاب میں اُس وقت جو بارش ہوتی تھی، وہ موجودہ بارش سے کہیں زیادہ تھی، سندھ کی سیرابی دو نہروں سے ہوتی تھی اور اس زمانہ کی بہ نسبت اُسوقت شادابی زیادہ تھی،

غذا: دونوں شہروں کے باشندے دودھ، روٹی، بکری، گائے، سور اور کچھوے کا گوشت، نہر سندھ کی مچھلیاں، اور ساحلی مقامات کی خشک مچھلیاں کھاتے تھے، اسکا ثبوت اُن ہڈیوں سے ملتا ہے، جو شہر کے مختلف گھروں میں ملی ہیں،

زیورات: امرا، سونے، چاندی، ہاتھی دانت، عقیق، یشم اور دوسرے مختلف رنگوں کے قیمتی پتھروں کے زیورات پہنتے تھے، پیتل کے زیورات بھی جن پر سونے اور نیلگوں قیشانی کا ملمع ہوتا تھا، رائج تھے، غربا سیپ اور ہڈی اور تانبے کے زیور پہنتے تھے، اِن کے علاوہ سونے کی بالیاں اور سوئیاں بھی ملی ہیں، سونے چاندی کے علاوہ دھاتوں میں پیتل، رانگا اور سیسے کا استعمال بھی تھا، اسلحہ، خانہ داری کے برتن، خنجر، چھریاں، بسولے، ہنسیا، ربی، اور کنگن وغیرہ کی قسم کی زینت و آرائش کی چیزیں پیتل کی بناتے تھے، پیتل بلوچستان، راجپوتانہ اور افغانستان سے لاتے تھے، رانگا البتہ کم یاب تھا، اس کو خراسان یا مغربی مقامات سے سومر کے راستہ سے لاتے تھے، رانگا خالص استعمال نہیں کرتے تھے، بلکہ اُس میں پیتل ملا کر مرکب دھات بناتے تھے، اور ربی اور آرہ وغیرہ کی قسم کے تیز اسلحہ اسی سے بنتے تھے، اسلحہ کے علاوہ مورتیں اور گھنڈی وغیرہ بھی اسی کی بنائی جاتی تھیں،

اسلحہ: یہ عجیب و غریب بات ہے، کہ اسلحہ میں ابھی تک چند بسولوں، خنجروں اور تیر کے پھلوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لوگ جنگجو نہ تھے، پتھر کا بہت سا سامان ملا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ نیا حجری عہد ان میں موجود تھا، صیقل کے برتن اور وزن کرنے کی چیزیں یشب کے اقسام کے سخت پتھروں سے بناتے تھے، وزن کا نظام خالص ہندی، اور بابلیوں اور عیلامیوں کے نظام سے بالکل مختلف

تھا، ساحلی مقامات سے بکثرت سیپ لاتے تھے، ان کے ہار اور مختلف قسم کے زیورات بناتے تھے، نیلگون تیشانی کے زیورات، پیالے اور ہار بناتے تھے،

مٹی کے برتن | روزانہ کے استعمالی برتن مٹی کے تھے، ان کی مختلف شکلون اور صنعتون سے معلوم ہوتا ہے کہ برتن کی صنعت اُنمین مدتون سے رائج تھی، اور اس مین وہ بہت مشاق تھے، مٹی کے برتنون مین دستے نہین تھے، زیادہ برتن سرخ اور بے نقش و نگار ہین، بعض رنگین اور نقشی بھی ہین، لیکن بہت کم، تصویرین اور اشکال سیاہ ہین، ان مین سے اکثر ہندسی ہین، اور بعض تصویرین حیوانون کی ہین، موہنجودارو مین ایک برتن ملا ہے، اس مین سرخ، سپید اور سیاہ نقش و نگار ہین، بعض اشکال سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کا تعلق عیلام، بلوچستان اور ما بین النہرین سے تھا،

کتابت | اکثر بنیادون مین منقوش مہرین ملی ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لوگ کتابت جانتے تھے، اور غالب گمان یہ ہے کہ اسکو تجارت وغیرہ مین کام مین لاتے تھے، اس زمانہ مین عام طور پر گیلی مٹی سے مہرین بنائی جاتی تھین، مگر اب تک اِن مہرون کے مادہ کا پتہ نہ چلا، بعض بعض مہرین لکڑی اور بعض درختون کی چھال کی بنی ہوئی ہین،

"م"

جامعۂ مصریہ

یا

مصری یونیورسٹی

مصر مین جدید تعلیم کا آغاز گو خدیو محمد علی پاشا کے عہد سے شروع ہوا، لیکن وہان کسی یونیورسٹی کا تخیل ابھی حال مین پیدا ہوا، تاہم جدید علوم کے اور نئی طرز کی درسگاہیں پہلے ہی قائم ہو چکی تھین، اور اٹھارہوین صدی کے آخر تک سارے مصر میں اسکولون اور کالجون کا جال پھیل گیا تھا، اُسوقت تک کالجون تک تعلیم محدود تھی، یونیورسٹی کی شکل نہ پیدا ہوئی تھی، انیسوین صدی کے شروع میں اسکا تخیل پیدا ہوا، اور ۱۹۰۶ء

سے اسکو عملی جامہ پہنانے کی کوششین شروع ہوئیں، مقررون نے اپنی تقریرون سے، اور ایڈیٹرون نے اخبارات کے ذریعے باقاعدہ اُس کی دعوت شروع کی، اور دو سال کے اندر اندر سارا مصر یونیورسٹی کے غلغلہ سے گونج اٹھا، مصر کے امرا اور اعیان نے بڑی حوصلہ مندی سے اِس مین حصہ لیا، عورتون نے مردون سے زیادہ ہمت دکھائی، امیرہ فاطمہ خانم نے ۶۱۱ ایکڑ کے وسیع رقبہ کی جائداد یونیورسٹی کو دی، اور ۲۲ ہزار گنی کے قیمتی زیورات تعمیر کے لئے عطا کئے، اور دسمبر ۱۹۰۸ء میں باقاعدہ یونیورسٹی کا افتتاح ہو گیا،

امیر فواد نے جواب شاہ فواد اول ہین، مختلف حکومتون اور علمی ادارون سے امداد حاصل کرنے کے لئے بنفس نفیس یورپ کا سفر کیا، اور تعلیم کے لئے بڑے بڑے ماہرِ فن مستشرقین کی خدمات حاصل کین، مصریون نے اپنے اپنے کتب خانون کے نوادر اور قدیم اور جدید علوم کے ذخیرے یونیورسٹی کو دیدئے، اور کچھ دنوں میں یونیورسٹی کا کتب خانہ مصر کا بہترین کتب خانہ بن گیا،

لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس یونیورسٹی کا قیام حکومت کی کوشش سے نہیں، بلکہ صرف مصری قوم کی کوشش سے وجود میں آیا، تاہم بہت جلد اُس نے حکومت کی سرپرستی حاصل کر لی، اور برابر ترقی کے منازل طے کرتی رہی، ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں ۱۰۱۷ گنی اس کا سالانہ خرچ تھا،

جنگ کے زمانہ میں حکومت اور اوقاف کی وزارت نے اپنی اپنی امداد کم کر دی، اور یونیورسٹی مالی دشواریوں میں مبتلا ہو گئی، اور اِس کی ترقی کی رفتار سست پڑ گئی، جنگ کے بعد حکومت نے اِس کی طرف خاص توجہ کی، چنانچہ ۱۹۲۵ء میں حکومت کے مشورہ سے تمام کالج ایک نظام کے ماتحت کر دئیے گئے، اور جدید یونیورسٹی قدیم جامعہ میں ضم کر دی گئی، اور اِسکا نام "جامعۂ مصریہ" رکھا گیا، ابھی تک یونیورسٹی متفرق طور پر مختلف عمارتوں میں تھی، گذشتہ، فروری ۱۹۲۸ء کو شاہ فواد نے یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا ہے،

اس یونیورسٹی کے متعلق فی الحال ۴ کالج ہیں، جن مین ۳۲۴۱ طلبا تعلیم پاتے ہیں، اِن میں سے ۱۲۰

کل اور ۲۰۲،۱۰ کی آدھی فیس معاف ہے، یہ چار کالج حسب ذیل ہیں:-

آرٹس کالج اس میں چھ شعبے یا ۶ موضوع ہیں (۱) عربی اور دوسری سامی زبانیں (۲) مصری آثار قدیمہ (۳) فلسفہ اور علم الاجتماع (۴) تاریخ و جغرافیہ (۵) زندہ زبانیں (۶) یونانی اور رومن لٹریچر،

اس کالج مین ۴ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد لٹریچر کی ابتدائی سند دی جاتی ہے، ابتدائی سند کے دو سال بعد طالب علم کو اجازت ہے کہ وہ لٹریچر میں ماجستیر (ایم اے) کی سند لینے کے لئے کسی ایک موضوع پر جو یونیورسٹی متعین کردے ایک رسالہ لکھ کر پیش کرے،

اسی طرح ۳ سال کے بعد یونیورسٹی کی منتخب کردہ موضوع پر دو رسالہ لکھنے پر ڈاکٹر (Ph.D) کی ڈگری ملتی ہے، اس کالج مین قانونی تیاری کے لئے مخصوص درس کا انتظام ہے، کہ طلبہ کو قانون سے مناسبت پیدا ہو جائے، گویہ درس خالص قانونی ہی، لیکن اسمین مقدمہ شریعت اسلامی اور مقدمہ قانون بھی داخل ہے، اس کالج مین ۱۱ پروفیسر ۲ مصری اور ۹ غیر مصری، ۴ اسسٹنٹ پروفیسر، ۳ مصری ایک غیر مصری، ۴ ریڈر، ایک مصری اور تین غیر مصری ہین،

طلبہ کی مجموعی تعداد ۵۰۶ ہے، ۳۴۸ قانون کے لکچر میں شریک ہوتے ہیں، اور ۱۵۹ لٹریچر کی تعلیم حاصل کرتے ہیں،

سائنس کالج اس کے ۴ شعبے ہیں (۱) میتھمیٹک اور کمپرٹیو میتھمیٹک (۲) کیمیا (۳) نباتات وحیوانات (۴) جیالوجی (علم طبقات الارض)

اس میں بیچلر آف سائنس کی ڈگری ۴ سال میں ملتی ہے، عنقریب ماجستر (ایم اے) اور ڈاکٹری کے کلاس بھی کھل جائیں گے،

اس کالج مین طب کے طلبہ کے لئے لکچرون کا خاص انتظام ہے، جو ایک سال مین دیئے جاتے ہین، طلبہ کی تعداد ۳۷۸ ہے، ان مین ۲۵۳ طب کے لکچرون مین شریک ہوتے ہین، ۱۲۵

سائنس کی تعلیم حاصل کرتے ہین، اس کالج مین ۷ پروفیسر ہین، ایک مصری ۶ غیر مصری، ۲ اسسٹنٹ پروفیسر، ۱۳ ریڈر ۸ مصری اور ۵ غیر مصری ہین، ان کے علاوہ لکچرار وغیرہ ملاکر ۴۴ تک تعداد پہنچ جاتی ہے

لاکالج اسکے طریقۂ تعلیم مین بعض جزوی ترمیمین کی گئی ہین، ان ترمیمون سے ابتدائی ڈگری لینے کی مدت کل ۴ سال ہوگئی ہے، اور سالون کی ترتیب بھی بدل گئی ہے، ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے خاص اہتمام ہے، ممتاز یورپین پروفیسرون کی جماعت پڑھاتی ہے اور مصری پروفیسر جو ابتدائی ڈگری لینے والون کو پڑھاتے ہین، ان پروفیسرون کی مدد کرتے ہین، ابتدائی ڈگری لینے والون کی تعلیم عربی مین ہوتی ہے، اور لکچر فرنچ یا انگریزی مین ہوتے ہین، اس مین یورپین طرز تعلیم کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے یعنی قانونی غور و فکر پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، قانون کی تاریخ کا مطالعہ اور مختلف شریعتون کے قانون کا موازنہ کرایا جاتا ہے، بحث و مباحثہ کے جلسے ہوتے ہین، جن مین طلبہ اور اساتذہ مساوی طور پر حصہ لیتے ہین،

اس کالج مین ۵۹۹ طلبہ تعلیم پاتے ہین، ۵۰۴ ابتدائی لائسنس کے کلاسون میں، اور ۹۵ ڈاکٹری مین، اسمین ۹ پروفیسر ہین، ۲ مصری، ۷ غیر مصری، ۱۲ اسسٹنٹ پروفیسر ایک غیر مصری، ۹ ریڈر، اور ۱۱ اسسٹنٹ ریڈر ہین، ان مین صرف ایک مصری ہے،

میڈیکل کالج لاکالج کی طرح اس کے طرز تعلیم اور طریقۂ درس مین بھی بعض ترمیمیں کی گئی ہیں، دانتون کے علاج کے متعلق ایک خاص مدرسہ ہے، جو کالج کی ایک شاخ اور اسی سے ملحق ہے، اس کالج کی مدت تعلیم ۴ سال ۳ مہینے ہے، اسکو پورا کرنے کے بعد بیچلر آف میڈیکل کی ڈگری دیجاتی ہے، اس کے بعد پھر اعلیٰ اور مخصوص تعلیم (اسپشلسٹ) کے متعدد درجے اور شعبے ہین،

(۱) ڈاکٹر طب، اس کا مرتبہ غالبًا وہی ہے جو ہمارے یہان M.D. کا ہے (۲) ماجستیر (ایم اے) اقراء الطب والاسنان، (۳) ماجستیر دواخانہ، (۴) منطقۂ حارّہ اور صحت عامہ کی ڈگری کی سند، (۵) آنکھون کے مخصوص علاج کی سند،

اس کالج مین ۸۸۵ طالب علم ہین، ۶۳۳ طب اور جراحت (سرجری) مین، ۹۲ دانتون کے طریقہ

علاج مین ۲۹ دواسازی کی تیمارداری (نرسنگ) مین، اور ۱۸ کمپونڈری مین ہین،

اس مین ۱۵ پروفیسر ہین ۵ مصری، ۱۰ غیرمصری، ۱۵ اسسٹنٹ پروفیسر کل مصری ۱۶ ریڈر، ۱۰ غیرمصری

۱۷ اسسٹنٹ ریڈر ۱۵ مصری ۲ غیرمصری،

اس یونیورسٹی کے مداخل اور مخارج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ۲۷ء سنہ ۳۰۸۳ ۲۰ ہوگئی آمدنی

تھی اور اسی قدر خرچ ہوا،

"م"

تاریخ فقہ اسلامی

ازمولانا عبدالسلام ندوی

اس مین ابتداے نبوت سے لیکر آج تک ہر دور کی فقہ اور فقہائے کے کارنامون پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے

جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین بڑی مدد مل سکتی ہے، ضخامت ۴۹۰ صفحے قیمت للعہ

خلفائے راشدین

ازمولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دارالمصنفین

اسمین حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت فاروق رض، حضرت عثمان ذالنورین رض، اور حضرت علی مرتضی رض کے حالات ذاتی، سوانح

اخلاق وفضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی دینی کارنامے اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے ہین، جکو پڑھکر خلافت راشدہ

کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفاے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے

ہین ضخامت ۵۰۳ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی قیمت ہے،

اخبار علمیہ

ہندوستانی زبانین اور ان کے بولنے والے

ہندوستان مین یون تو تقریباً دوسو مختلف زبانین بولی جاتی ہین، لیکن ایسی زبانین جو ادبی حیثیت رکھتی ہون اور جن کے بولنے والے کم ازکم دس لاکھ سے زیادہ ہون صرف ۱۷ ہین، مندرجہ ذیل اعداد اسکو زیادہ واضح طریقے سے بتائین گے،

زبان	تعداد اشخاص	زبان	تعداد اشخاص
اردو یا ہندی	۹۸۱۱۵۰۰۰	گجراتی	۹۵۵۲۰۰۰
بنگالی	۴۹۲۹۴۰۰۰	برمی	۸۴۲۳۰۰۰
تلگو	۲۳۶۰۱۰۰۰	ملایالم	۷۴۹۸۰۰۰
پنجابی	۲۱۸۸۶۰۰۰	سندھی	۳۳۷۲۰۰۰
مرہٹی	۱۸۷۹۸۰۰۰	آسامی	۱۷۲۷۰۰۰
تامل	۱۸۷۸۰۰۰۰	پشتو	۱۴۹۶۰۰۰
راجستانی	۱۲۶۸۱۰۰۰	کشمیری	۱۲۶۹۰۰۰
کنڑی	۱۰۳۷۴۰۰۰	میزان	۲۹۷۰۰۹۰۰۰
اڑیہ	۱۰۱۴۳۰۰۰		

ہندوستان کی کل آبادی ۳۱۵۱۵۶۳۹۶ ہے،

عربون مین صنعتِ شیشہ گری،

آج سے ٥ سال پہلے بیت المقدس کی ایک امریکن دوکان مین شیشہ کا ایک پیالہ تھا جس کی سطح کے اندر اس صنعت سے چھوٹی چھوٹی مچھلیان بنائی گئی تھین کہ دیکھنے والون کو پانی مین تیرتی نظر آتی تھین، اس مین یہ صنعت تھی کہ مچھلیان نہ اوپر کندہ تھین اور نہ ابھری تھین بلکہ ڈھالتے وقت شیشہ کی تہ کے اندر بنا دی گئی تھین اس پیالہ کے ایک حصہ پر "برسم سنجر شاہ" لکھا تھا، یہ سلطان سنجر پانچوین پشت مین سلطان سلجوق بادشاہ بغداد کا پوتا ہے، اور سلطان سنجر نے ۵۵۲ھ مطابق ۱۱۵۷ء مین وفات پائی، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیالہ چھٹی صدی ہجری کی بغدادی صنعت کا نمونہ ہے،

دل سینے سے الگ زندہ رہ سکتا ہے،

ڈاکٹر لیاسے ناظم انجمن فزیالوجی وائنا نے ثابت کیا ہے کہ نو، عصبات کے توسط کے بغیر براہ راست عضلات کو متاثر کرتا ہے، جس سے وہ خود بخود سکڑتے ہین، ہالینڈ کے ڈاکٹرز وارڈ میکر ماہر فزیالوجی پروفیسر اترخت یونیورسٹی کا دعوی ہے کہ قلب کی حرکت اور اس کے عضلات کا قبض و بسط پوٹاسیم کی مخفی قوت کی شعاع اندازی کیوجہ سے ہوتا ہے جو انسان کے خون اور اس کے قلب مین موجود ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس دعوی کو ثابت کر کے مشاہدہ بھی کرا دیا، چنانچہ ایک جاندار کا دل سینہ سے نکا لکر علٰحدہ کر دیا، اور اس پر ریڈیم اور دوسرے شعاع انداز عناصر کی شعاعین ڈالین اس عمل سے دل برابر دھڑکتا رہا،

ایک عجیب دھات

اسبستوس نامی ایک خاص قسم کی دھات ہے اس مین خاص وصف یہ ہے کہ حد درجہ نرم اور لچکدار ہے حتی کہ اس کا کپڑا بنایا جا سکتا ہے، دوسری خوبی یہ ہے کہ اس پر آگ کا اثر نہین ہوتا، گذشتہ زمانے مین لوگون کو اس کا علم تھا اور وہ اسکا کپڑا تیار کرتے تھے، چنانچہ قدیم رومن شاہی خاندان کے مُردے اسی کے کپڑے مین لپیٹ کر جلائے جاتے تھے، کہ ان کی خاک برباد نہ ہو، نپولین کے عہد حکومت مین اس کے کپڑے پہنکر

آگ بجھانے والے آگ مین کودتے تھے اور شعلون کی لپٹ سے محفوظ رہتے تھے ایک مرتبہ نپولین اپنی آنکھون سے یہ تماشا دیکھکر بہت محظوظ ہوا تھا، ابھی تھوڑے دنون کا واقعہ ہے کہ شہر کوبک مین ایک انگریز انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس مین اپنی جرابین اتار کر ڈالدین اور تھوڑی دیر کے بعد پھر صحیح سالم نکال لین، اس پر لوگون کو سخت حیرت ہوئی، لیکن کچھ دیر کے بعد یہ معما حل ہو گیا یہ دھات کوبک کے قرب و جوار مین بکثرت ہے،

امام ابن جوزی کی ایک نئی کتاب

بغداد کے مشہور محدث اور مصنف کی ایک نئی کتاب صید الخواطر مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ہے امام موصوف نے اس مین مختلف مسائل اور روزمرہ کے اپنے خیالات و افکار کو جمع کیا ہے، جس کو گویا آپ ان کے خیالات کا روزنامچہ کہہ سکتے ہین،

ابن سکیت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب

مشہور مسلمان جرمن مستشرق سالم کرنکو لندن سے عراق کے رسالہ المرشد مین یہ خوشخبری سناتے ہین، کہ پیرس کے پبلک کتبخانہ مین انھون نے تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم لغت، اور متوکل کے دربار کے ادیب ابن سکیت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کا ایک نسخہ دیکھا، جسکو اُس نے ۲۳۲ھ مین اپنے ہاتھ سے لکھکر ختم کیا تھا، یہ نادر نسخہ بغداد سے چلکر پیرس پہنچا ہے.

ہندوستان مین نئے آثار قدیمہ،

ہندوستان مین پرانے آثار کا ذخیرہ جیسے جیسے زمین سے نکلتا آرہا ہے ہندوستان کی پرانی تاریخ کے گمشدہ اوراق ملتے جاتے ہین، اب تک ہندوستان کے مختلف گوشون مین جس قدر آثار ملے ہین، ان کا بیشتر تعلق بودھون سے ہے، بہار مین راجگیر کے پاس بڑے گاؤن مین مشہور نلندا یونیورسٹی کے آثار نکلے ہین، گورکھپور مین دیوریا کے پاس بودھ کے جائے وفات کی عمارت نکلی ہے، بنارس مین سارناتھ بودھ کے دھرم پرچار کی پہلی جگہ کی عمارتین نکل آئی ہین، گیا مین بودھ کے کشف کا مقام متعین ہو کر، زمین کے اندر سے بہت

بڑا بودھی مندر برآمد ہوا ہے، اب ایسے تازہ آثار بھی نکلے ہین، جن سے ہندوستان اور عراق کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے،

امریکہ کی روز افزون دولت

امریکہ کی اندرونی ملکی آمدنی کی مجلس نے جو اعداد و شمار شائع کئے ہین، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہان کی دولت اب تقریباً عملی طور سے لاتعداد ولاتحصی کے مرتبہ کو پہنچ رہی ہے، وہان کی کل آبادی ۱۱۷۰۰۰۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے، اور سنہ ۱۹۲۶ء مین ان کی آمدنی کی مجموعی رقم ۹۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر تھی سنہ ۱۹۲۱ء کی آمدنی کے مقابلہ مین اس رقم مین ۳۴ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے، سنہ ۱۹۲۱ء مین ہر شخص کی اوسط آمدنی ۱۶۳۷ ڈالر تھی اور سنہ ۱۹۲۶ء مین یہی آمدنی ۲۲۱۰ ڈالر تک پہنچ گئی،

کیا غریب ہندوستان کی تین روپیے کچھ آنے کی اوسط آمدنی سے اس کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟

برقی غلام

نیویارک، امریکہ کی ایک برقی کمپنی کے انجینیر مسٹر آر، جے، و نسلی نے بجلی کا ایک پتلا بنایا ہے، جو انسانون کی طرح مختلف خدمات انجام دیتا ہے، اور علمی حلقون مین خیال کیا جا رہا ہے کہ بہت جلد یہ برقی غلام ہمارے گھر کے ہر قسم کے فرائض ادا کرتے ہوئے نظر آئے گا، انجینیر نے اپنے اس غلام کا نام ٹیلی وکس (TELEVOX) رکھا ہے،

"م"

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانحعمری اور اس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے، مصنفہ پروفیسر مظفر الدین ندوی ام اے، حجم ۱۰۲ صفحے قیمت عمر

"منیجر"

ادبیات

صدائے درویش

از جناب امجد حیدر آبادی،

اس رنج کی دنیا مین جام طرب افزا دے
اس میکدۂ لا مین اک ساغر الّا دے

اے فضل و کرم والے محتاج کو دوا دے
امید کے بندے کو محروم نہ پلٹا دے

دے اے مرے مولا دے

دے اے مرے داتا دے

اس مفلس بیکس پر اے شاہ کرم فرما
آیا ہے ترے در پر گم راہ کرم فرما

مایوسی کی حالت مین ناگاہ کرم فرما
اللہ کرم فرما للہ کرم فرما

دے اے مرے مولا دے

دے اے مرے داتا دے

دوری سے تری تھک کر جی اپنا نہ ہارونگا
افلاک کی چوٹی سے تارون کو اتارونگا

بگڑی ہوئی قسمت کو رو رو کے سنوارونگا
سو مرتبہ چیخون گا سو بار پکارون گا

دے اے مرے مولا دے

دے اے مرے داتا دے

اس جسم کے جوہر کو عریانی سے زینت دے
دست دل سائل مین دامان محبت دے

کچھ غم کی مسرت دے کچھ درد کی راحت دے
ایمان کی لذت دے توحید کی دولت دے

دے اے مرے مولا دے

کب تک تری صورت کو یہ دیدۂ تر ترسے — دیکھین مری کھیتی پہ کب ابر کرم برسے

امید بہت کچھ ہے اجمل کو ترے در سے — دامانِ ہوس بھر دے مقصود کے گوہر سے

دے اے مرے مولا دے

دے لے مرے داتا دے

جذباتِ ثاقب

از

جنابِ سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

اب آشنائے عرضِ تمنا زبان نہین — کیا لطف ہے کہ حرفِ ہوس درمیان نہین

بیدادِ حسنِ یار سے مین بدگمان نہین — کیا پوچھتے ہو کیون مرے لب پر فغان نہین

جو کچھ ہوا وہ دل کا غلط اضطراب تھا — حاشا نگاہِ ناز سے مین بدگمان نہین

ممنون ہون مین دل سے ترا او وحشتِ خیال — آزاد ہون کہ فکرِ جہان ہم عنان نہین

جب عشق خام تھا مجھے احساسِ درد تھا — اب کچھ نہین خبر کہ کہان ہے کہان نہین

لیتا ہے دل ہی کچھ مزۂ کاہشِ فراق — لذت شناسِ دردِ محبت زبان نہین

وہ آہ شعلہ بار ہو یا داغِ سوزِ غم — خوش ہین کہ بے چراغ ہمارا امکان نہین

دیتا ہون داد اس دلِ صبر آزما کو مین — جو نا امید تو ہے مگر بدگمان نہین

کیون نہ ایک ہی نگاہ مین ثاقب یہ ترکِ ہوش

یہ التفاتِ دوست ہے کچھ امتحان نہین

مطبوعاتِ جدیدہ

سیف بن ذی یزن، اقوام کی تعمیر و تخریب اور ان کے خیالات کے ارتقا مین ادبیات کو جو درجہ حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، آج سے نصف صدی قبل بیرن کی ایک نظم نے انگریزون کو یونانیون کی امداد کے لیے آمادہ کر دیا تھا اور اُس کا نتیجہ یونان کی ترکی سے آزادی تھی، لیکن نصف صدی کے بعد نقشہ الٹ گیا، سیف بن ذی یزن اس ترکی ناول نے شکست خوردہ ترکون مین ایسی ہمت، جرات اور ایسا احساسِ خودداری پیدا کر دیا، کہ وہ ظالم یونانیون کو اپنے آبائی وطن، اناطولیہ سے نکالنے مین کامیاب ہو گئے، یہ ناول سیاسی حیثیت سے ایک بہترین کتاب ہے، اور اس کے پڑھنے سے جو اثرات پیدا ہوتے ہین وہ نہایت ہی شریفانہ اور حریت آفرین ہین، ہم مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی کو اس افسانہ کے ترجمہ پر مبارکباد دیتے ہین، ہمارا خیال ہے کہ نہ صرف اردو دان اصحاب کے لیے اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ غلام ہندوستان کی ہر زبان مین اس کا ترجمہ شائع کیا جائے، اس افسانہ کے حالات ہندوستان کے حالات سے اس قدر مماثل و متشابہ ہین کہ ہر ہندوستانی اس کو آپ بیتی سمجھے گا، قصہ کی سرزمین یمن ہے، جس پر اسلام سے پہلے حبشہ نے قبضہ کر لیا تھا، اور بالآخر نوجوانانِ یمن نے اہلِ ایران کی مدد سے حبشیون کو ملک سے نکال دیا، ترجمہ بہت اچھا، اور طرزِ ادا موثر ہے، قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ

منیجر ہند بک ایجنسی نمبر ۱۱ مال روڈ، دم دم، دم کنٹونمنٹ کلکتہ،

ابن سراج، اندلس کی مرحوم اسلامی سلطنت کے آخری بدبخت فرمانروا ابو عبد اللہ کے پوتے کا نہایت ہی موثر افسانہ ہے، مذہب کی قوت اور سچے پیروانِ مذہب کی استقامت اسکی روح ہے، اس کے ساتھ ہی دشمن مذاہب و فاتح و مفتوح اقوام کے ارکان کی محبت، جنگجو ہندوستان کے لیے ایک درسِ عبرت

ہے عربی زبان کی وساطت سے اس فرانسیسی افسانہ کو جناب بدر الدین احمد صاحب نے نہایت ہی اطمینان ور دان اردو مین ترجمہ کیا ہے، قیمت ۵ر

بلتمازار اور بلقیس ملکۂ سبا، یہ افسانہ مشہور فرانسیسی افسانہ نگار اناطول فرانس کے ایک مختصر افسانہ کا ترجمہ ہے، مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی کا نام صحت و صفائی ترجمہ کا ضامن ہے، قیمت ۳ر

مذکورۂ بالا دونون کتابین بھی ہند بک ایجنسی سے دستیاب ہوسکتی ہین،

حیاتِ کیفی، جناب ابو رضا سید رضی الدین حسن کیفی حیدرآبادی مرحوم دکن کے ایک مشہور شاعر تھے اور ان کے انتقال کے چند سال کے اندر ہی ان کی سوانح اور ان کے کلام کے متعدد مجموعون کی اشاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ دکن مین وہ خاص عزت و شہرت کے مالک تھے، رسالۂ صحیفہ کے بانی ہونے کا بھی انھی کو فخر حاصل ہے، جناب محمد سردار علی صاحب اڈیٹر تجلّی نے مذکورۂ بالا نام سے ایک جزء کے مختصر رسالہ مین ان کے حالات اور ان کی شاعری کا انتخاب شایع کیا ہے، قیمت ۲ر

تصویرِ افکار، یہ ایک سو سات صفحون کی کتاب جناب کیفی مرحوم کی اردو غزلیات کا مجموعہ ہے، ابتدا مین ان کی تحریر کے عکس کے ساتھ مرحوم کا ایک مختصر تذکرہ بھی لکھا گیا ہے، اس کے بعد غزلون کو دو حصون مین منقسم کردیا گیا ہے (۱) لمعاتِ کیفی (۲) تجلّیاتِ کیفی، ان کا کلام خود ان کی پختگی، صفائی، روانی، صحتِ جذبات کا ثبوت ہے، اس کے جامع محمد سردار علی صاحب ہی ہین، اور یہ کتابین بزمِ ادب کے سلسلہ مین شائع کی گئی ہین، قیمت ۸ر کتب خانہ مسجد چوک، حیدرآباد دکن سے یہ دونون کتابین خریدی جاسکتی ہین،

دنیا کے بسنے والے، یہ مختصر ۴½ جزء کی کتاب جناب سید بشیر حسین صاحب زیدی، ہڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول کی تالیف ہے، اس کتاب مین سید صاحب موصوف نے اردو خوان بچون کے لیے ان اقوام کے حالات، لکھے ہین، جو اب تک کسی قسم کے تمدن سے دوچار نہین ہوئی ہین اور دنیا کے

مختلف گوشون مین آباد ہین، اس کتاب سے بچون کو ایک بڑی حد تک ان گمنام قومون کے تمام ضروری حالات معلوم ہوسکتے ہین، اور اسی خیال سے جامعہ ملیہ کے مکتبہ نے اسے دستی تصاویر کے ساتھ شائع بھی کیا ہے، قیمت ۸ر پتہ:- مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی،

پیغامِ درا، یہ ۲۰۰ صفحات کی کتاب جناب مولوی سید برکت علی شاہ صاحب عرف گوشہ نشین، کی قومی و مذہبی نظمون کے مجموعہ کا نام ہے، جس مین غالباً ڈاکٹر اقبال کی بانگِ درا کی نقل کی کوشش کیگئی ہے، کتاب تین حصون پر منقسم ہے، (۱) صدائے درا، (۲) آوازِ درا، اور (۳) زبورِ مشرق، ان نظمون مین جو گوناگون دلچسپیان ہین وہ صرف پڑھنے سے حاصل ہوسکتی ہین، بظاہر اس مجموعہ کی اشاعت کا سبب شاعر بے بدل کا "بفضلہ نہائت مرفہ الحال اور صاحب جائداد" ہونا ہے، کتاب کی باطنی خوبیون کی وجہ سے اس کی ظاہری طباعت وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ نہین کیگئی، ور "خلائق" کے فائدہ کے لیے اس کی قیمت بھی صرف ۱ر رکھی گئی ہے، اس مجموعہ کے آخر مین متعدد امراض کے لیے صرف ایک عجیب نسخہ بھی شائع کردیا گیا ہے، کتاب مصنف سے وزیرآباد پنجاب کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مشورۂ وقت، یہ رسالہ لفٹنٹ کرنل ڈی فراسٹ صاحب کی کتاب THE APPOINTED (TIME) کا ترجمہ ہے، اس مین مسیحی دنیا کے دلون سے بعض شکوک کے رفع کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اس کے مترجم ایف ایم، نجم الدین احمد صاحب ہین، آپ ہندوستانی اردو دان مسیحی دنیا مین شہرت رکھتے ہین، قیمت ۱ر پتہ انور منزل ساندھا روڈ، لاہور،

تلخیص تاریخ بہادر شاہی، مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب معتمد عدالت عالیہ نے جگ جیون داس کی تاریخ بہادر شاہی سے خود بہادر شاہ سے متعلق واقعات کی تلخیص کرکے جناب مولوی غلام یزدانی صاحب ناظمِ اثریات، حیدرآباد دکن کو دکھائی تھی، یہ تلخیص جناب یزدانی صاحب کی تصحیح اور نوٹ کے ساتھ پہلے رسالہ تجلّی مین شائع ہوئی تھی اور اب الگ چھاپی گئی ہے، کتاب کی کمیابی کو دیکھتے ہوئے

مرزا صاحب کی یہ کوشش لائقِ داد ہے اور تاریخ دوست اصحاب کو ان کی محنت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، یہ مضمون شاید خود مخلص صاحب سے مل سکے،

رنگِ زمانہ، منشی برج بھوکن لال صاحب محب دریابادی، تلمیذ جناب نظر لکھنوی کا یہ اردو دیوان ہے، جس مین شروع مین نئی طرز و معنی کی غزلین اور آخر مین قصائد، قطعات اور مثنویان مین زیادہ تر اشعار زمانہ کے موجودہ رنگ، مذاق، فیشن، قومیات اور سیاسیات کی تنقید اور طعن و طنز مین ہین، اور جناب اکبر الہ آبادی مرحوم کے تتبع مین ہین، کہین کہین اس تتبع مین اچھی خاصی کامیابی حاصل کی ہے، زبان مین صحت کا لحاظ بھی ہے، مثلاً،

پسند اب آ گئی یورپ کی اطلس ہوئی نفرت زری اور گلبدن سے
نہ کام آیا مرے پر مغربی سوٹ بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے
مزار ان کا بنے گا پارک مین اب انھین کیا کام ہے باغِ عدن سے

———.———

خدا کی شان، طفلِ دل بھی اب اسکول جائیگا پڑھیگا کورس تو دینی کتابین بھول جائیگا
بجائے دیر و مسجد ہوٹلون کی سیر بھائے گی کھلین گے گل خوشی سے پارکون مین پھول جائیگا

———.———

مجھے ہر اس لیے اب شوقِ تیغِ ابرو کا کہ اس کے واسطے قانونِ لائسنس نہین

———.———

ہر اک کی شان مین کہتے ہین یہ ایسے ہین ویسے ہین کوئی کاش ان سے بھی پوچھے کہ "حضرت آپ کیسے ہین"

قیمت ۱۰ از مصنف سے دریاباد، ضلع بارہ بنکی کے پتہ سے طلب کیجئے،

"ن"

مجلد بست و یکم ۲۱ | ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۲۸ء | عدد ششم

مضامین